

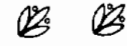
فہرست

انتساب	۵
دیباچہ	۱۱
ابتدائیہ: (عرض حال) پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی	۱۵
دوسرا ایڈیشن پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی	۱۸
هو الله احد الله الصمد	۱۹
ظاہری و باطنی وساطت	۱۹
سر قدر کا تعلق باطن سے ہے	۲۰
رحمت عام کے وساطت	۲۱
ابدال اور سر قدر	۲۲
قرآن مجید میں قطب الزمان کا ذکر	۲۲
احادیث میں موسیٰ و خضر کا واقعہ	۲۵
کیا یہ واقعات مکاشفہ تھے؟	۲۶
خضر کون تھے؟	۲۷
خضر علیہ السلام کا خاص علم	۲۹
خضر علیہ السلام قطب الاقطاب یا غوث تھے	۳۳
کیا خضر زندہ ہیں؟	۳۵
خضر بطور صاحب ارشاد ولی	۳۵
واقعہ موسیٰ اور خضر کی حکمت (سر قدر اور مشیت)	۳۶
موسیٰ و خضر کے واقعہ سے مستنبط معلومات	۳۷
احادیث میں ذکر ابدال	۳۹
احادیث رسول اللہ ﷺ	۳۹
احادیث سے مزید معلومات کا استنباط	۴۱

علوم اولیاء اللہ میں ذکر ابدال

۳۳	۳۳
۳۳	۳۳
۳۳	۳۳
۳۷	۳۷
۳۸	۳۸
۵۲	۵۲
۵۵	۵۵
۵۶	۵۶
۵۷	۵۷
۶۰	۶۰
۶۰	۶۰
۶۳	۶۳
۶۵	۶۵
۶۶	۶۶
۶۷	۶۷
۶۷	۶۷
۶۸	۶۸
۶۹	۶۹
۶۹	۶۹
۷۰	۷۰
۷۰	۷۰
۷۱	۷۱
۷۱	۷۱
۷۲	۷۲
۷۶	۷۶
۷۶	۷۶
۷۹	۷۹

۸۳
۸۳
۹۳
۱۰۶
۱۰۹
۱۱۳



”حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہے، یہ سب پر تو باطنی ہے۔“



”..... اور یہ تم کیا کہتے ہو کہ جو ہونا ہوتا ہے، وہ ہو کر رہتا ہے، مقدر نل نہیں سکتا ہے۔۔۔۔۔ مقدر چیز ہی کیا ہے اور ہونا کس شے کا نام ہے؟ یہ سب کچھ اٹل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی توجہ پر سارے دار و مدار ہیں۔ اٹنے کو سیدھا اور سیدھے کو الٹا کر سکتے ہیں اور کیا ہے اور کرتے رہتے ہیں۔“



حضرت حاجی عبد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ

(بلو شاہ غوث و قطب)



ویباچہ

انسان کا شیوہ جدت ہر دور میں ذوق نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ذہن و قلب سے سراہا جاتا ہے۔ پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی صاحب نے بھی جدت کا ایک شاہکار منظر عام پر ظاہر کرنے کی جراتِ زندانہ کی ہے۔ جو ”حقیقتِ ابدال“ کے عنوان سے حاضرین کے پیش خدمت ہے۔ ”حقیقتِ ابدال“ پر بہت سے اصفیاء نے اپنے اظہار خیال سے عوام کو نوازا ہے۔ مگر ان کا مطالعہ کرنے والوں کی نگاہی کم ہونے کی بجائے اور بھی زیادہ بڑھ جاتی رہی ہے۔ اب صاحب موصوف نے اپنی ٹھوس محنت، کدوکاوش سے چند خصوصیاتِ ابدال و قطب، کو طشتِ ازیام کیا ہے۔ ”حقیقتِ ابدال“ کا تعلق چونکہ مشاہدے سے ہی نہیں، بلکہ تجربہ سے وابستہ ہے، اس لئے اصفیاء حضرات اپنے اپنے مشاہدے و تجربات کے مطابق صرف اتنا ہی بیان کرنے پر موقوف رہے جتنا کہ انہوں نے عوام الناس کے لئے ضروری سمجھا۔ تاکہ وہ ان کے بیان سے فیض یاب ہو سکیں اور اس راہِ مستقیم سے بھٹک نہ جائیں۔

پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی نے پرانے اصفیاء کے ان تمام بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک سلک میں پرو کر ایک خوشنما پیارا ہار بنا کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے جس کی شکل و صورت نہایت ہی دلپذیر اور دل کی گہرائیوں میں اتر جانے کی خاصیت رکھتی ہے۔ اسرارِ ابدال سے متعلق کتب میں کچھ ایسے بھی اسرار شامل ہیں جو کئی ایک حضرات پر کھل چکے ہیں۔ اور چند ایک ایسے بھی ہیں جنہیں شاید ابھی تک بیان کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔ اس نکتہ کو اہل نظر ہی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ صاحب موصوف کی کاوش، بہت اور جذبات بے شک و شبہ قابلِ قدر ہیں کہ انہوں نے واقعی حق تحقیق ادا کیا ہے اور انتہائی جانفشانی سے لامحدود علم حقیقتِ ابدال کو یکجا کر کے ہمارے مفاد میں پیش کر دیا ہے۔ قرآن و حدیث کے حوالے، بزرگوں کے مکاشفات، دلائل و امثال اہل کمال بیان کرتے ہوئے کتبِ ہذا میں گونا گوں رنگوں سے نگاہی کر

فرمایا: ”اہل خدمات مقلب القلوب ہوتے ہیں۔ دل بدل دیتے ہیں۔“



فرمایا: ”یہ لوگ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے، ورنہ فیض چھن جانے کا خطرہ رہتا ہے اور سزا بھی ملتی ہے۔“



حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ
(رحمۃ اللہ علیہ)



دی ہے جو قلب و روح کو فرحت پہنچاتے ہیں۔ آپ نے بجا طور پر واضح کر دیا ہے کہ ہر زمانے میں ایک بزرگ اس مقام (غوث) پر ہوتا ہے اور وہ گوناگوں طریقوں سے کارگاہ حیات میں لوگوں کا مددگار و معاون ہوتا ہے۔ ایسی ہستی کو ستر قدر کا علم دیا جاتا ہے تاکہ مشیت ایزدی کو عملی جامہ پہنا سکے، جس کی خاطر اس کو خاص قوتیں عطا کی جاتی ہیں۔ ایسے حضرات عموماً عام نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں مگر صرف ان اشخاص پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جن کو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کسی طریقہ سے مطلع کر دیتا ہے اور ان کو ظاہر ہونے کا حکم بھی ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حضرات شریعت ظاہری کے پابند ہوتے ہیں۔ مگر کئی مواقع ایسے بھی ان کی زندگی میں آتے ہیں کہ باطنی شریعت کے احکامات ان پر نافذ کر دیئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ذکر آتا ہے۔ یہ حضرات اپنی ذاتی خواہشات کو مکمل طور پر ختم کر چکے ہوتے ہیں۔ ان کے احاطہ کارکردگی میں افراد سے لے کر ملکوں کے معاملات اور ان کے تغیر و تبدل کرنا شامل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اپنی خواہش سے کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ البتہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کے روہد بواسطہ نبی اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی شخص، ملک اور قوم کے دعاگو ہوتے ہیں جو عموماً قبول ہوتی ہے۔ یہ حضرات یونہی دعا نہیں مانگتے بلکہ ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے اس شخص، ملک یا قوم کے متعلق خوب جان لیتے ہیں اور اپنے ظاہری و باطنی مشاہدہ سے معلومات صحیحہ حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔ ظالم و مظلوم میں فرق دیکھ لیتے ہیں۔ تب جا کر کہیں دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کی ہمت کرتے ہیں۔ تاکہ ظلم کو ختم کیا جاسکے اور امن و امان قائم کرنے کی راہ ہموار کی جائے۔

غوث و ابدال کا نظام بہت وسیع ہے اور تمام کائنات میں اس کا وجود موجود ہے۔ جو ہر کس و ناقص کی عقل سے بعید ہے۔ اختیار، ابدال، ابرار، نبیاء، اوتاد، نقباء اور قطب و غوث۔ ان کی تعداد حضرت داتا گنج بخش جویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”کشف المحجوب“ میں بیان کی ہے۔ دوسرے روحانی شہسواروں نے مختلف

تعداد بیان کی ہے۔ ان کی تعداد میں تبدیلی کے امکانات ہو جاتے ہیں۔ جو آبادی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بہر حال نظام قائم ہے اور یہ نظام عقلی طور پر برسر عمل ہے۔

کچھ بزرگوں کی زبان سے سننے میں آیا ہے کہ جس طرح ہندوؤں نے دنیا کے ممالک کی تقسیم سات حصوں میں کی تھی قریب قریب اسی منج پر یہ روحانی نظام کارفرما ہے۔ حالات و واقعات کے مطابق خطوں کی تقسیم بدلتی رہتی ہے اور اقطاب کا دائرہ اختیار اسی کے مطابق ہوتا جاتا ہے۔ روحانی تنظیمیں ان سب کی مدد و معاون ہوتی ہیں۔ اور آخری فیصلے کہیں اور جگہ ہوتے ہیں۔ یہ بزرگ حضرات ان سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ جو اوپر کی سطح پر متعین ہوتے ہیں۔ اس نظام کے متعلق پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی صاحب نے بڑی محنت و کاوش سے حقائق اکٹھے کئے ہیں کہ قارئین کم از کم معلومات کی سطح پر ہی بہرہ ور ہو سکیں۔ صاحب موصوف پر کتب کے مطالعہ اور نظر عمیق رکھنے والے اہل نظر بزرگوں سے ملاقاتوں کے دوران میں جو کچھ راز منکشف ہوئے ہیں ان کو آسان اور دلکش انداز سے اس کتاب میں بیان کر کے انہوں نے ہم پر احسان گراں کیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ روحانی پینار اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ انداز سے مخلوقات کو فیضیاب کرنے میں نہ تو کوتاہی کر سکتے ہیں اور نہ ہی پیچھے ہٹتے ہیں۔ ان کا دائرہ اختیار اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ ان کا تصرف بہت زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ ویسے تو ہر طرح کے ولی اللہ بھی تصرف کرتے ہیں۔ مگر ان کا احاطہ کارکردگی وسیع نہیں ہوتا۔ جیسا کہ مصنف کتاب ہڈانے ذکر کیا ہے کہ ان کے اپنے رابطے ہوتے ہیں اور ان کی ہر دیوان میں حاضری ہوتی ہے، جس میں مختلف امور پر گفت و شنید کے بعد فیصلے کئے جاتے ہیں۔ معاملات کو اس طریقے سے سلجھایا جاتا ہے جو خالق ارض و سماء کی حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے۔

کتاب تحریر کرنے میں عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے۔ مگر ان کے کئی جملوں

میں بین السطور کچھ راز بھی ضرور پنہاں ہیں جو صاحب نظر سمجھ سکتے ہیں۔ اسلوب بیان بہت ہی پیارا ہے اور کڑی سے کڑی ملائے جاتے ہیں کہ پڑھنے والے کو سمجھنے کے لئے کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے۔ ”اس سعادت بزرگ بازو نیست“۔

جیسا کہ پروفیسر ہمدانی صاحب نے بیان کیا ہے کہ ابدالوں کا کام عمومی طور پر عامہء خلافت کی بہبود سے وابستہ ہے اور خاص طور پر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فلاح ان کا مقصد ہے۔ اس لئے وہ امت کے لئے دعا کرنے والے سے انس پیدا کر لیتے ہیں۔ مگر جب اس امت کے پیروکار ایک حد سے تجاوز کر جانے میں فخر محسوس کرتے ہیں تو ان ہستیوں کے تیور بدل جاتے ہیں۔ جس سے نقصان کی توقع ہو سکتی ہے اور یہ نقصان حکماء کے آپریشن کرنے کے مصداق ہوتا ہے تاکہ فرو یا قوم سے اس زہریلے مادے کو نکال کر جسم کو پاک و صاف کیا جائے۔

اللہ جل شانہ نے تخلیق آدم سے آج تک اور آج سے روز قیامت تک کا جو نقشہ تیار کر رکھا ہے اسی کے مطابق اس عالم فانی میں عمل کار فرما ہے۔ انسان اپنی جدوجہد کرتا ہے اور اللہ اپنا نظام قائم رکھے ہوئے چلاتا ہے۔ مَكْرُوا وَمَكْرُ اللہ وَاللہُ خَيْرٌ لِّمَا كُفِّنَ (لوگ اپنی تجویزیں بناتے اور چلاتے ہیں اللہ (بھی) اپنی تجویزیں چلاتا ہے مگر اللہ کی تجویزیں ہر مخلوق کے لئے خیر و بہتری پر مبنی ہوتی ہیں) اس کو نافذ کرنے کے لئے فرشتے کام کرتے ہیں اور یہ سلسلہ اولیاء اللہ یعنی ابدال و اولاد، نجباء، اقطاب و غوث بھی اسی کار خیر میں شامل ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان حضرات کی تمکینی نصیب کرے۔ آمین!

عبد الرؤف لوتھر

۲/ فروری ۱۹۸۳ء

لاہور



ابتدائیہ :

عرضِ حال

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

(سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا بہت مہربان نہایت رحم والا ہے)
وَقَالَ اللَّهُ تَعَالٰی!

كُتِبَ عَلَيْكُمُ عَلَىٰ نَفْسِكُمُ الرَّحْمَةُ (الانعام: ۵۴)

(تمہارے رب نے اپنے اوپر مہر کرنی لکھی ہے)

وَمَا ارْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء: ۱۰۷)

(اور ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر عالموں کے واسطے رحمت)

وَفِی الْقَصِیْدَةِ:

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنِیْنِ وَ الْقَلْبِیْنِ

وَالْفِرْعَوْنِیْنِ مِنْ عَرَبٍ وَ مِنْ عَجَمٍ

نَبِیُّنَا الْاَمْرُ النَّاهِیْ فَلَا اَحَدًا

اَبْرَئِیْ قَوْلٍ لَا یُسْنُوْهُ وَلَا نَعَمَ

هُوَ الْعَجِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهُ

لِكُلِّ هَوٰیٍّ مِنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحَمَ

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت اور جن و انس کے سردار ہیں اور عرب و عجم دونوں فریقوں کے سردار، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے ہمارے نبی، "ہاں" "نہیں" بولنے میں ان سا سچا کوئی نہیں۔ وہی اللہ کے ایسے حبیب ہیں کہ ان کی شفاعت کی امید ہے۔ ہر ایک خوف کے وقت جو آنے والے خوف ہیں)

صَلِّ اللّٰهُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖم وَاٰرَکَہٗم وَاَسَلِّمُ

اَمَّا بَعْدُ:

چند سہل ہوئے ہیں اس فقیر نے دو بزرگوں کے حالات پر مشتمل ایک کتب لکھی جس کا نام "تذکرہ غوث و قطب" رکھا۔ وجہ تسمیہ صرف اس قدر تھی کہ اس سے بہتر اور کوئی نام اس وقت سوچا نہیں تھا اور پھر میری نظر میں وہ دونوں بزرگ غوث و قطب کے مراتب کے حامل تھے۔ بہت سے حضرات نے غوث و قطب اور اس قبیل یا طبقے کے اولیاء اللہ کے متعلق جتنا چاہا جنہیں ابدال کہتے ہیں۔ ان کی تمنا تھی کہ ان کے مناصب و فرائض کے متعلق جملہ تک ممکن ہو، علمی طور پر آگاہ کیا جائے۔

پرانے بزرگوں نے اس طبقے کے ولیوں کا مجمل طور پر اپنی کتب میں ذکر ضرور کیا ہے اور بعض نے بہت ہی مختصر رسائل بھی لکھے۔ مگر کسی نے کچھ پہلوؤں کو اجاگر کیا اور دوسروں نے کچھ اور خصوصیات نمایاں کیں۔ دراصل جو کچھ انہوں نے لکھا، وہ ہر ایک کے اپنے اپنے مشاہدے اور تجربے کا حاصل تھا۔ ایسا کوئی رسالہ نہ تھا جس میں ان سب مشاہدات کو یکجا کر کے معلومات کو کسی قدر مربوط صورت میں پیش کیا جائے۔ یہ رسالہ اسی امر کے لئے کوشش کا ایک مظہر ہے۔

ممکن ہے بعض حضرات اسے صوفیاء و اولیاء اللہ کے اسرار کا بے جا اظہار بھی خیال فرمائیں۔ مگر یہ سارے وہی اسرار ہیں جو دوسروں پر کھل چکے ہیں اور بیان بھی کئے جا چکے ہیں۔ یہاں تو صرف ان اسرار کو یکجا کر کے مرتب و محفوظ کر دیا گیا ہے۔ یہ

فقیر اگر اس سے زیادہ کچھ کرتا تو شاید ملامت کا مورد ٹھہرتا۔

ایک اور بات یہ ہے کہ کرامت کے بیان سے صوفیاء کے تذکرے پہلے سے پر ہیں۔ یہاں کسی نکتے یا خصوصیت کی وضاحت کے لئے اگر خوارق عادت واقعات کا ذکر کیا گیا ہے تو ان کے انتخاب و بیان میں کوشش یہی رہی ہے کہ انہیں تحقیقی لحاظ سے صحیح مانا جاسکے۔ یعنی روایت کے لحاظ سے خواہ وہ تحریری شکل میں ہوں یا نہیں لیکن انہیں سنانے یا ان کے ماننے والے ایسے ہوں کہ اس علم کے اہل لوگ انہیں درست تسلیم کر سکیں۔

جملہ کیں آیات قرآنی کا ترجمہ لکھا ہے، وہاں اس فقیر نے حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو ترجیح دی ہے جو ولی اللہی خاندان میں فقر کی وجہ سے ممتاز (۱) تھے۔ البتہ اس قدر ترمیم کی جسارت کی ہے کہ ان کے جملوں کی بناوٹ کو حال کے محاورے میں بدل کر لکھا ہے تاکہ ترجمہ بھی صحیح ہو اور پڑھنے والے کو سمجھنے میں بھی آسانی رہے۔

تمام بیان میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور ان اسرار کے بیان میں یہی زیادہ مناسب تھا۔

تلقین درس اہل نظر یک اشارت است
کر دم اشارتے و مکرر نبی کسٹم

سید احمد سعید ہمدانی

نوشترہ (ضلع خوشاب) پنجاب

۷ / ستمبر ۱۹۸۳ء / ۲۹ ذیقعد ۱۴۰۳ھ



(۱) بیان کیا گیا ہے "شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحب کشف تھے" اور اس خاندان میں آپ کا کشف سب سے بڑھا ہوا تھا..... شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ کسی کی تعظیم نہ دیتے تھے، مگر سید کی تعظیم دیتے تھے، خواہ سنی ہو یا شیعہ..... شاہ عبدالقادر صاحب کرامات کا اس زور و شور سے صدور ہوتا تھا جیسے خزاں کے زمانہ میں پت جھڑ ہو یا بارش کے وقت پوندیں گرتی ہوں۔"

دوسرا ایڈیشن

پہلا ایڈیشن چھپا تو تصوف سے دلچسپی رکھنے والے قارئین نے کتاب پسند کی۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ اس سے نہ صرف اُن کی معلومات میں اضافہ ہوا بلکہ انہوں نے ذوق و شوق کی کیفیات بھی محسوس کیں البتہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگوں کو یہ سب باتیں نامانوس معلوم ہوئیں حتیٰ کہ اسلوب بھی ان کو کچھ اجنبی اور پُرانا دکھائی دیا۔ اس پر گو کتاب اپنی جگہ مکمل تھی مگر اب کے از سر نو ایک ضمیمہ ترتیب دے کر کتاب کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔

خدا کرے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے افراد بھی اسے کچھ قائل قبول پائیں۔ حق یہ ہے کہ ذہن کھولنے والا تو خود اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اپنے طور پر تو ہم کوشش ہی کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اللہ ان باتوں کو سمجھنے کے لئے ان کے فہم و ادراک میں کُشلا پیدا کر دے۔ والسلام

نوشہرہ (ضلع خوشاب)

سید احمد سعید ہمدانی

○ ھو اللہ اُحد ○ اللہ الصمد

اللہ کی ذات اُحد و صمد ہے۔ صمد اُس سردار اور آقا کو کہتے ہیں جس کی طرف حاجتوں اور رغبتوں کے لئے رجوع کیا جاتا ہے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ الصمد کی شرح میں فرماتے ہیں:

”صمد وہ سید ہے جو سیادت میں کامل ہو۔ وہ مالک شرف ہے جو شرف میں کامل ہو۔ وہ عظیم ہے جو عظمت میں کامل ہو۔ صمد وہ ہے جو جملہ شرف و سیادت میں کامل ہو۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بھی صمد ہونے کی شان نہیں رکھتا..... صمد میں معنی جامعیت پائے جاتے ہیں۔“ (۱)

وہ ہر شے پر قادر ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے **يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ** **يَقُولُوْهُمْ وَاُنْحِكُمْ مَا نُؤَيِّدُ بَعْزَتِهِم** (اللہ جو کچھ چاہے اپنی قدرت کے ساتھ کرتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے جو کچھ ارادہ کرے اپنی عزت کے ساتھ)

لیکن اس کی مشیت اور حکم میں حکمت ہوتی ہے کیونکہ وہ حکیم ہے۔ کوئی تنکا بھی اگر اپنی جگہ سے نلتا ہے اور ایک ذرہ بھی اپنی جگہ سے ہٹتا ہے تو ان کی یہ حرکت الہی مصلحت و حکمت سے خالی نہیں ہوتی۔ انفس و آفاق کے مطالعہ سے یہ حکمتیں کہیں انسانی سمجھ میں آتی ہیں اور کہیں نہیں بھی آتیں۔ لیکن کارِ گاہ تقدیر میں مشیت از روئے حکمت بدستور کام کرتی رہتی ہے۔

ظاہری و باطنی وسائط:-

اس کارِ گاہ میں تقدیر کو ظہور میں لانے کے لئے وسائط و اسباب کی بھی کمی نہیں۔ یہ بھی خود اسی کے تخلیق کردہ ہیں **وَمَا يَعْزِمُ جُنُودَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (۷۴: ۳۱)**

”اور تیرے رب کے لشکر کوئی نہیں جانتا مگر وہی آپ۔“ پھر جیسے اس پوری کائنات کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، اسی طرح ان وسائل کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر بینوں کی نظریں صرف ظاہر پر پڑتی ہیں اور اہل باطن اپنی بصیرت سے حالات و واقعات کے پیچھے اصل محرکات کو پہچان کر اللہ کی مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مسبب الاسباب اللہ ہے۔ جو صمد ہے، حکیم ہے، خبیر ہے اور لطیف ہے کہ بڑے نازک اور باریک راستوں سے اپنی تقدیر کو ظہور میں لاتا ہے۔ پھر ظاہر بھی وہی ہے اور باطن بھی وہی۔ اس نے اگر ظاہر میں انسان کو مجبور و مختار بنایا تو اس کی مجبوری اور اختیار کی اصل حکمت بھی صرف وہی جانتا ہے یا اپنے ان عارفوں کو اس کی معرفت عطا کرتا ہے جن کی عقل اس کی متحمل ہو سکتی ہیں۔

سرِ قدر کا تعلق باطن سے ہے:-

یہ نظام کائنات اگر ریاضی و اقلیدس کے قاعدوں کی طرح درست اور بجا طور پر چل رہا ہے تو باطن میں اس کی تقدیر بھی اسی طرح کار فرما ہے۔ ظاہر میں جو باتیں ہمیں اس بارے میں معلوم ہوتی ہے وہ کبھی غلط ہوتی ہیں اور کبھی ٹھیک اور جہاں تک باطن کا تعلق ہے تو اس عالم میں تقدیر کا راز صرف عارفوں کے علم میں آتا ہے۔

ظاہر میں تو یہی نظر آتا ہے کہ زلزلے، سیلاب، حواثات، حکومتوں کا رد و بدل یہ سب کچھ ظاہری اور طبعی حالات کا نتیجہ ہے مگر آسمانی کتابیں تو انہیں باطن میں براہ راست الہی حکم کے تابع قرار دے رہی ہیں۔ ظاہر و باطن کی وسعتوں کی حدود کو کون دریافت کر سکتا ہے اور باطن میں ارادہ و مشیت الہی کا راز کون بتا سکتا ہے؟ ہر ایک نے اتنا ہی بتایا جتنا اللہ نے اسے علم دیا تھا یا جس قدر اسے اللہ کی طرف سے بتانے کا اذن ملا تھا۔

انسانی معاشرے میں ظاہر میں اس بارے میں سب کچھ جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اس کی تشکیل انہی کے ہاتھوں عمل میں آ رہی ہے۔ اس طرح معاشرے کے رویہ یا تاریخ کے عمل سے جو قوتیں ظاہر ہوتی ہیں، ان کے نزدیک

وہی تقدیر کی خالق ہیں۔ گویا ان کے دُعا میں سرِ قدر کا تعلق امر الہی سے نہیں بلکہ صرف اسی مادی عالم اسباب سے ہے۔ ان کے خیال کے مطابق یہی عالم تقدیر کا خالق بھی ہے اور اس کی مخلوق بھی۔ ان کے وہم و گمان کی رو سے تقدیر کا راز بس یہی ہے۔ مگر آسمانی کتابیں سرِ قدر کو اللہ کی ذات و صفات سے متعلق بتاتی ہیں اور قرآن کتاب ہے کہ اس مجید کو سمجھنا یوں آسان نہیں کہ کُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنِهِ کی رو سے ہر روز بلکہ ہر لمحہ وہ ایک نئی حالت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اس جہت سے یہ سرِ قدر تو ایک لامحدود نظام مشیت سے متعلق ہے جس کا علم صرف اسی کو ہے جب کہ ہمارے لئے عالم مخلوق بھی ایک معما ہے اور اس کے امور و اسباب پر بھی اسرار کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ کہیں سے کچھ پردہ سرکایا گیا تو ہمیں کچھ حقیقت حل کا پتہ چل گیا ورنہ بات یہیں تک رہتی ہے:

علم کیا علم کی حقیقت کیا
جیسی جس کے گمان میں آئی

انسان جو کچھ کرتے ہیں اور جو کچھ ان پر بیت جاتی ہے، ہمارے لئے تو اسی کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ بے شمار اسباب و علل ظاہر و باطن میں سرگرم کار ہیں۔ باطن تو رہا ایک طرف، ظاہری عالم اسباب کا احاطہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ باطن کے مطالعہ و مشاہدہ کے لئے تو ویسے بھی ایک الگ نظر درکار ہے جو کسی کسی کے پاس ہوتی ہے اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جنہیں **وَاَسْمَعُونَ فِي الْعِلْمِ كَمَا يَكُونُ**۔

رحمت عام کے وسائل:-

جیسا کہ ذکر ہوا، سرِ قدر کا علم تو لامحدود ہے لیکن قرآن مجید میں کچھ وسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اپنی رحمت کو عام کرنے کے لئے اس نے کچھ کارکن انہی کی خاطر مخصوص کر رکھے ہیں اور وہ دن رات اس میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ کے امر کو جاری بھی کرتے ہیں اور اللہ کے امر سے بچاتے بھی

○ لَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ إني آتيتُكَ بِشَيْءٍ مِنْ بَيْنِ أَصْنَانٍ ○ فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ○ قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ○ فَانْزَلْنَاهُ أَعْلَى الْوَدِيِّ فَاصْصِلْ ○ فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعِلْمَةً ○ مِّنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَيْتُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَ بِنَا أَعْلَمَ رَسُولًا ○ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِط بِهِ خَيْرًا ○ قَالَ مَتَجِدِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ○ قَالَ إِنِّي أَتَّبِعُكَ ○ فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُخْبِرَكَ ○ لَكَ بِهِ ذِكْرًا ○ فَلَطَقَا نَجْوَىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ○ قَالَ أَخَرُهَا لِتَفْرُقَ لَهَا ○ لَقَدْ جِئْتَنَا شَيْنًا لَّيْسَ بِمَا نَسِيتُ وَلَا أَزُكِّرُ ○ قَالَ لَمْ أَهْلُكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُزَكِّرْهُنَّ مِن لَّدُنِّي عُسْرًا ○ فَلَطَقَا نَجْوَىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ ○ قَالَ أَتَمَلَّكَ نَفْسًا زَكِيَّةً ○ إِنْغَمِرْ نَفْسٌ ○ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نَّكَرًا ○ قَالَ لَمْ أَهْلُكَ لَكَ فَتَكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ قَالَ إِن مَّا لَكَ مِنْ شَيْءٍ ○ إِنْ هَذَا إِلَّا نَفْسُجِي ○ قَدْ بَلَغْتَ مِنَ لَنِتَّىٰ عُسْرًا ○ فَلَطَقَا نَجْوَى ○ إِذَا آتَيْنَا لَهْلَ قَرْبَةٍ ○ اسْتَظْمَمَّا لَهَا ○ فَلَوْ أَنَّ تَضَمَّنُوهُمَا ○ فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْفُقَ ○ لَقَدْ هِمَّتْ لَوْ شِئْتَ لَتَخَنَتَ عَلَيْهِ جَارًا ○ قَالَ هَذَا لِرَأْسِ بَنِي وَبَنِيكَ ○ سَلْبُكَ ○ بَنَاءٌ ○ وَدَلَّ مَالَهُمُ تَسْتَطِيعَ عَلَيْهِ صَبْرًا ○ إِنَّا السَّفِينَةُ ○ كُنْتُ لِمَسْكِينٍ يَمْعَلُونَ فِي الْبَحْرِ ○ لَوَدِدْتَ أَنَّ إِعْيَاهَا وَكَانَ وَرَاءَهُ هُمْ مَلِكٌ ○ بَأْ خُذْ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ○ وَإِنَّا لَنُفْلِمُ لَكَ أَنَّ بُرْهَانَ مُّؤْمِنِينَ ○ فَنَحْنُ إِنَّا بَرَهْنُهُمَا طُفْلًا ○ وَكُفْرًا ○ لَوَدِدْنَا أَنَّ بَيْنَهُمَا رَهْمًا خَيْرًا ○ سَنَزَكُوهُ ○ وَالْقَرَبُ رَحْمًا ○ وَإِنَّا لَنَجْزِيكَ لَكَانَ لِفُلْمَيْنِ بَيْنَهُمَا فِي الْمَدِينَةِ ○ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا ○ وَكَانَ

لَوْ هُمَا صَالِحَا ۚ فَلَوْلَا رَيْكَ لَنْ تَبْلُغَا لِقَاءَهُمَا وَبَسْتَحِرَّ جَاكَنْزُهُمَا
قِيلَ رَحْمَتُهُ ۖ بَيْنَ رَيْكَ ۚ وَمَا لَعَلَّتْهُ عَنْ لَبْرِئِ طَ فَلَكَ تَلَوِيلٌ مَلَمٌ
تُسَطِّعُ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝ (۸۴: ۶۰)

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنے جوان کو کہا: میں نہ ہوں گا جب تک دو دریا کے ملاپ تک نہ پہنچوں یا قرون چلتا جاؤں ۝ پھر جب دو دریا کے ملاپ تک پہنچے، اپنی مچھلی بھول گئے۔ پھر اس نے دریا میں سرنگ بنا کر اپنی راہ لی ۝ پھر جب آگے چلے، موسیٰ نے اپنے جوان کو کہا: ہمارے پاس ہمارا کھانا لا، ہم نے اپنے اس سفر میں تکلیف پائی ہے ۝ وہ بولا: تو نے دیکھا جب ہم نے اس پتھر کے پاس جگہ پکڑی سو میں مچھلی بھول گیا اور یہ مجھ کو شیطان نے ہی بھلا دیا کہ اس کا ذکر کروں اور وہ دریا میں عجب طرح اپنی راہ کر گئی ۝ کہا: یہی ہے جو ہم چاہتے تھے۔ پھر اپنے پیر پہچانتے اٹھے پھرے ۝ پھر ہمارے بندوں میں کا ایک بندہ پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے اپنی مر دی تھی اور اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا ۝ اس کو موسیٰ نے کہا: کئے تو اس پر تیرے ساتھ رہوں کہ جو کچھ بھلی راہ تجھ کو سکھائی ہے، مجھ کو سکھاوے ۝ بولا: تو میرے ساتھ نہ ٹھہر سکے گا ۝ اور کیونکر ایک چیز کو دیکھ کر ٹھہرے جس کی سمجھ تیرے قابو میں نہیں ۝ کہا: اگر اللہ نے چاہا تو مجھ کو ٹھہرنے والا پاوے گا اور تیرا کوئی حکم نہ ٹالوں گا ۝ بولا: پھر اگر میرے ساتھ رہتا ہے مجھ سے کوئی چیز مت پوچھو جب تک میں تیرے آگے اس کا ذکر نہ کروں ۝ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ٹاؤ میں چڑھے، اس کو پھاڑ ڈالا۔ موسیٰ بولا: تو نے اس کو پھاڑ ڈالا کہ اس کے لوگوں کو ڈباوے۔ تو نے ایک انوکھی چیز کی ۝ بولا: میں نے نہ کہا تھا۔ تو میرے ساتھ نہ ٹھہر سکے گا ۝ کہا: مجھ کو میری بھول پر نہ پکڑ، مجھ پر میرا کام مشکل نہ ڈال ۝ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملے۔ اس کو مار ڈالا، موسیٰ بولا: تو نے

بن بدلے کسی جان کے ایک جان مار ڈالی۔ تو نے ایک نامعقول چیز کی ۝ بولا: میں نے تجھ کو نہ کہا تھا کہ تو میرے ساتھ نہ ٹھہر سکے گا ۝ کہا: اگر اس کے پیچھے کوئی چیز تجھ سے پوچھوں پھر مجھ کو ساتھ نہ رکھو، تو میری طرف سے الزام اتار چکا ۝ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گھوڑ کے لوگوں تک پہنچے۔ وہاں کے لوگوں سے کھانا چاہا، وہ نہ مانے کہ ان کو مسمان رکھیں، پھر اس نے ایک دیوار پائی جو گرا جاہتی تھی۔ اس کو سیدھا کیا، موسیٰ بولا: اگر تو چاہتا تو اس پر مزدوری لیتا ۝ کہا: اب میرے تیرے بیچ جدائی ہے اب تجھ کو ان باتوں کا پھیر جاتا ہوں جن پر تو نہ ٹھہر سکا ۝ وہ جو کشتی تھی سو کتے محتاجوں کی تھی جو دریا میں محنت کرتے تھے۔ سو میں نے چاہا کہ اس میں نقصان ڈالوں اور ان کے پرے ایک بلاشلہ تھا جو ہر کشتی چھین کر لے لیتا تھا ۝ اور جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ ایمان پر تھے، پھر ہم ڈرے کہ ان کو زبردستی اور کفر کر کر عاجز کرے ۝ پھر ہم نے چاہا کہ ان کا رب ان کو سحرائی میں اور محبت میں لگاؤ رکھتا بہتر بدلا دے ۝ اور وہ جو دیوار تھی، سو دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں رہتے تھے اور اس کے نیچے ان کا مال گڑا تھا۔ اور ان کا باپ نیک تھا۔ پھر تیرے رب نے چاہا کہ وہ اپنے زور کو پہنچیں اور اپنا گڑا مال نکالیں، تیرے رب کی مرہٹلی سے، اور میں نے یہ اپنے حکم سے نہیں کیا۔ یہ ان چیزوں کا پھیر ہے، جن پر تو نہ ٹھہر سکا ۝

احادیث میں موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کا واقعہ:-

احادیث میں اس واقعہ کا پس منظر یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعظ کے دوران میں کسی نے پوچھا: آیا اس وقت روئے ارض پر آپ سے زیادہ بھی کوئی عالم ہے؟ چونکہ وہ صاحب شریعت نبی تھے اور اس خیال سے کہ تمام احکام دینی کا علم ان کے پاس ہے، انہوں نے کہہ دیا کہ نہیں، اس وقت میں ہی علم میں سب سے بڑھ کر ہوں۔ چنانچہ انہیں الہام ہوا کہ ہمارا ایک بندہ ایسا بھی ہے جو تم سے علم میں

بڑھ کر ہے اور فلاں جگہ۔ ملے گا۔ اسے جا کر ملو۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیا اور اللہ کے اس بندے سے ملنے کے لئے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں مزید جو باتیں بیان فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھی کے ساتھ جب اس پتھر کے پاس پہنچے جہاں مچھلی حرکت میں آگئی تھی۔ ”تو دیکھا کہ اس پتھر کے پاس ایک شخص سر سے پاؤں تک چلور تانے لیتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے (اسی حال میں) سلام کیا تو خضر علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کے ملک میں کیسے سلام کرتے ہیں؟ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے سوال کیا کہ موسیٰ بنی اسرائیل؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں، میں موسیٰ بنی اسرائیل ہوں، اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ خاص علم سکھادیں جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام کے ساتھ سفر پر نکلے اور کشتی میں بیٹھے تو اس موقع پر حدیث میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اسی اثناء میں ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر اس نے دریا میں سے ایک چونچ بھر پانی لیا۔ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ میرا علم اور آپ کا علم دونوں مل کر بھی اللہ کے علم کے مقابلے میں اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتے جتنی اس چڑیا کی چونچ کے پانی کو اس سمندر کے ساتھ ہے۔ (۱۲)

کیا یہ واقعت مکاشفہ تھے؟

جدید دور کے بعض عقلیت پسند مفسرین نے اس واقعہ کی تفسیر کو اپنے نقطہ نظر کے مطابق ڈھالنے کے لئے اپنی رائے کو راہنما بنایا ہے اور اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

مثلاً ”انہوں نے سب سے پہلے تو یہ خیال پسند کیا ہے کہ یہ محض مکاشفہ تھا۔ اس پر جب یہ اعتراض ذہن میں آیا کہ اگر یہ مکاشفہ ہی تھا تو پھر اس سفر کا حل، مجمع البحرین کا اتنا پتا اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی منزل سے آگے نکل جانا کیوں بیان ہوا۔ اس

ساتھ

پر وہ کہتے ہیں کہ بس اللہ کی کوئی مصلحت اس میں ہوگی۔ مصلحت تو اس واقعہ میں یقیناً ہے مگر جیسا کہ ابھی وضاحت کی جائے گی مکاشفہ کی صورت میں نہیں بلکہ عین بیداری کی صورت میں ان پر یہ پُر حکمت کلام اور باتیں منکشف ہوئیں اور یہ اسی حالت میں ہی ان پر کھل سکتی تھیں۔

خضر علیہ السلام کون تھے؟

اس کے بعد سب سے بڑی مشکل انہیں خضر علیہ السلام کی شخصیت اور منصب کے بارے میں پیش آئی ہے۔ خضر علیہ السلام اگرچہ تمام کلام اللہ کی ہدایت کی تحت کر رہے ہیں مگر چونکہ ان میں ایک دو کلام بظاہر خلاف شریعت بھی ہیں لہذا ان کا جواز جس طرح عقلیت پسند یا ظاہر پسند مفسرین چاہتے ہیں، نہیں مل رہا ہے۔ اس خود پیدا کردہ اشکال کے لئے انہوں نے خضر علیہ السلام کے بارے میں یہ مفروضے قائم کئے ہیں

- ۱۔ خضر علیہ السلام فرشتے تھے۔
- ۲۔ خضر علیہ السلام انسان تھے لیکن نبی تھے۔
- ۳۔ خضر علیہ السلام انسان تھے اور بادشاہ تھے۔

اگر خضر علیہ السلام فرشتے تھے تو ان کے کلاموں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتراضات بے معنی ہو جاتے ہیں۔ وہ نبی جسے اسرار ربانی کے علم ہونے کا دعویٰ تھا، یہ ضرور جانتا تھا کہ فرشتہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرنے والا ایک غیر جانبدار دلیل ہے جو لایعقل ہے۔ اس کی کسی حرکت پر اعتراض تو نعوذ باللہ خود اللہ تعالیٰ پر اعتراض ٹھہرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس قسم کی بات منسوب کرنا، پیغمبر کے منصب سے لاعلمی کی دلیل ہے۔

اگر خضر علیہ السلام نبی تھے تو یہ کیسے کلام تھے جن کے وہ مرتکب ہو رہے ہیں؟ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو بتانا چاہتا تھا کہ جس طرح بنی اسرائیل کے لئے تم مبعوث کئے گئے ہو، اسی طرح اور قوموں کی طرف بھی دوسرے نبی مبعوث کئے

کی مکتب نہیں ہے بلکہ کارگلہ مشیت کی کارکن ہے (۴) فرشتہ فرض کر کے تو ہم نے دیکھ لیا، اس سے پیچیدگی اور بڑھ جاتی ہے۔ اب اللہ کی کوئی اور مخلوق اسے سمجھا جائے تو کیسے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو خضر علیہ السلام کو انسان سمجھ کر ہی اعتراضات کر رہے ہیں۔ چونکہ وہ انہیں مکتب بھی سمجھتے ہیں لہذا وہ انہیں انسان سمجھنے کی صورت میں ہی ایسا کر رہے تھے۔ البتہ یہ بات کہ وہ کارگلہ مشیت کے ایک کارکن ہیں، واقعہ کی رو سے اور جہاں تک ان کے علم نے ان کی راہنمائی کی ہے، زیادہ مناسب اور قریب الفہم ہے۔

خضر علیہ السلام کا خاص علم۔

یہ مانے بغیر چارہ کار نہیں ہے اور قرآن کے بیان کردہ واقعہ سے یہ واضح ہے کہ خضر علیہ السلام انسان تھے اور ان کے پاس ایک خاص علم تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے لئے بے شک جزوی حیثیت رکھتا ہو مگر اللہ کی حکمتوں کو سمجھنے کے لئے اس سے آگاہی حاصل کرنا ضروری تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محض "احتیاط فی الکلام" کی تعلیم یا تادیب کے لئے نہ بھیجا گیا تھا، انہیں اس خاص علم کی معرفت کے لئے خضر علیہ السلام سے ملنے کا حکم ہوا تھا۔

اردو میں لکھی گئی متداول تفاسیر میں دیکھئے تو مولانا نعیم الدین نے مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن مجید کے حاشیے پر تفسیری نوٹ دیا ہے: "مفسرین و محدثین کہتے ہیں کہ جو علم حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے لئے خاص فرمایا وہ علم باطن و مکاشفہ ہے۔ یہ اہل کمال کے لئے باعث فضل ہے..... ان کی فضیلت اس چیز سے ہے جو ان کے سینہ میں ہے۔ یعنی علم باطن و علم اسرار کیونکہ جو افعال صادر ہوں گے، وہ حکمت سے ہوں گے اگرچہ بظاہر خلاف معلوم ہوں۔" (۵)

بیان القرآن میں مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا ہے کہ اس خاص علم سے مراد علم اسرار کوئی ہے۔ یعنی دنیاوی امور میں جو اللہ کی حکمت کارفرما ہوتی ہے، خضر اسے جانتے تھے۔ ان کے نزدیک خضر ان اولیاء اللہ میں سے تھے جو باذن حق تکوینیات میں

گئے ہیں اور ان قوموں کی مقننیت دینی جدا ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کون سے دینی امور سرانجام دے رہے ہیں۔ ایک کشتی میں سوراخ کر دیا، ایک لڑکے کو ہلاک کر ڈالا اور ایک دیوار کی بلا اجرت مرمت کر دی۔ یہ تو عام تکنیکی امور ہیں جن کے لئے کسی نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت نہیں اور پھر تمام عالم کی سبقت شرائع پر نظر ڈالئے، کیا ان میں سے دو کاموں یا کم از کم کسی ایک کو بھی ظاہر شریعت کی رو سے جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر اس مفروضہ کو درست تسلیم کیا جائے تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں پھر بھی کوئی اضافہ نہیں ہوا ہو گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی خاص علم سے متعارف کرانے کے لئے وہاں بھیجا گیا تھا اور وہ خود بھی خضر علیہ السلام سے کہتے ہیں: "کیا میں اس غرض سے آپ کے ساتھ چلوں کہ جو علم آپ کو سکھایا گیا ہے، وہ آپ مجھے بھی سکھا دیجئے۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سفر، خضر سے ان کی یہ درخواست اور پھر ان کی معیت، یہ سب لاحاصل کام نہ تھے۔ اللہ اور اس کے انبیاء (علیہم السلام) کے افعال و اعمال لاحاصل اور خالی از حکمت نہیں ہوتے۔

اگر خضر علیہ السلام بادشاہ تھے، تو کیسے بادشاہ تھے کہ ہمیں بدل کر نکلے ہیں اور کوئی انہیں پہچان بھی نہیں رہا۔ مگر اس کے باوجود وہ سب کے سامنے کشتی توڑتے ہیں اور ایک لڑکے کو ہلاک کرتے ہیں لیکن ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ اگر انہیں نبی مانا جائے، تب بھی یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ کشتی کے توڑنے پر تو عقیدت کے مارے چپ ہو رہے مگر لڑکے کے قتل پر کیسے چپ رہ سکے؟ پھر کیا کوئی بادشاہ محض القاء پر ایسے کام کر سکتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو کون سی شریعت کسی بادشاہ کو اس کی اجازت دیتی ہے کہ وہ القاء و الہام کا دعویٰ کر کے ایسے امور کا ارتکاب کرتا پھرے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تو اپنی مقبول عام تفسیر میں یہ کہہ کر اصل بات ہی ٹل دی ہے کہ یہ پیچیدگیوں صرف اس صورت میں رفع ہوتی ہیں جب "ہم خضر کو انسان نہ مانیں بلکہ فرشتوں میں سے یا اللہ کی کسی اور مخلوق میں سے سمجھیں جو شرائع

تعارف کرتے رہتے ہیں۔ صوفیاء کی زبان میں انہیں کو قطب الکونین یا صاحب خدمت کہتے ہیں۔ (۶)

مولانا عبدالمجید دریا آبادی نے بھی گویا انہی کی تائید میں اپنی تفسیر میں مشائخ صوفیاء کا ایک قول نقل کیا ہے کہ جس طرح انبیاء امر نبوت میں اپنے دل سے کچھ نہیں کرتے، اولیاء اہل خدمت بھی مدارج خدمت میں تلخ حکم رہتے ہیں۔ (۷)

مولانا ابوالکلام آزاد نے جہاں سورہ کف کی تفسیر کے آخر میں ضروری تشریحات کے عنوان سے اپنے نوٹ میں اصحاب کف اور ذوالقرنین پر طویل مضامین قلمبند کئے ہیں۔ وہاں خضر علیہ السلام پر صرف دو سطریں لکھنے پر اکتفا کیا ہے:

”آیت (۶۵) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جس شخص سے ملنے کا ذکر کیا گیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم عطا فرمایا تھا، کون تھا؟ اس بارے میں قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی ہے، لیکن صحیحین کی روایت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام خضر تھا۔“ (۸)

البتہ اس سے پہلے آیات متعلقہ کے نیچے حاشیہ میں تفسیری نوٹ یوں دیا ہے:

”حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات جس شخص سے ہوئی اس کی نسبت فرمایا: ”ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک علم عطا فرمایا تھا، قرآن جب کبھی کسی بات کو اس طرح بولتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بات براہ راست ظہور میں آئی تھی یعنی دعویٰ و مسائل کو اس میں دخل نہ تھا۔ پس معلوم ہوا وہ شخص صاحب دجی تھا اور اللہ نے اسے براہ راست علم عطا فرمایا تھا، چنانچہ آگے چل کر اس کا قول آتا ہے ما فعلتہ عن اموی میں نے جو کچھ کیا، اللہ کے حکم سے کیا۔ اپنی سمجھ سے نہیں کیا۔“ یہ علم جو اسے دیا گیا تھا، یقیناً یہ تھا کہ بعض امور کے بواطن و لہرار اس پر کھول دیئے گئے تھے۔“ (۹)

اس اشکال کے بارے میں کہ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے علم کی نوعیت میں اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے تفسیر مظہری سے

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا حوالہ دیا ہے اور اس کا خلاصہ یوں رقم فرمایا ہے:

”حق تعالیٰ جن حضرات کو اپنی وحی اور نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں، وہ عموماً تو وہی حضرات ہوتے ہیں جن کے سپرد اصلاح خلق کی خدمت ہوئی ہے۔ ان پر کتب اور شریعت نازل کی جاتی ہے۔ جن میں خلق خدا کی ہدایت اور اصلاح کے اصول و قواعد ہوتے ہیں۔ جتنے انبیاء عظیم السلام کا ذکر قرآن مجید میں بتصریح نبوت و رسالت آیا ہے، وہ سب کے سب ایسے ہی تھے جن کے سپرد تشہعی اور اصلاحی خدمت تھیں۔ ان پر جو وحی آتی تھی، وہ بھی اسی سے متعلق تھی، مگر دوسری طرف کچھ نکوینی خدمت بھی ہیں جن کے لئے عام طور سے ملائکتہ اللہ مقرر ہیں۔ مگر زمرہ انبیاء میں بھی حق تعالیٰ نے بعض کو اس قسم کی نکوینی خدمت کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اسی زمرہ میں سے ہیں۔ نکوینی خدمات واقعات جزئیہ سے متعلق ہوتی ہیں کہ فلاں شخص ڈوبنے والے کو بچا لیا جائے یا فلاں کو ہلاک کر دیا جائے، فلاں کو ترقی دی جائے، فلاں کو زہر دیا جائے۔ ان معاملات کا نہ عام لوگوں سے کوئی تعلق ہوتا ہے نہ ان کے احکام عوام سے متعلق ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات جزئیہ میں بعض وہ صورتیں بھی پیش آتی ہیں کہ ایک شخص کو ہلاک کرنا تشہعی قانون کے خلاف ہے مگر نکوینی قانون میں اس خاص واقعہ کو عام تشہعی قانون سے مستثنیٰ کر کے اس شخص کے لئے جائز کر دیا گیا ہے جس کو اس نکوینی خدمت پر مامور فرمایا گیا ہے۔ ایسے حالات میں شرعی قوانین کے علماء اس استثنائی حکم سے واقف نہیں ہوتے اور وہ اس کو حرام کہنے پر مجبور ہوتے ہیں اور جو شخص نکوینی طور پر اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، وہ اپنی جگہ حق پر ہوتا ہے۔“ (۱۰)

نبی کہنے کی دلیل صرف اس امر سے لی گئی ہے کہ خضر علیہ السلام اللہ کے حکم پر

حضرت (علیہ السلام) قطب الاقطاب یا غوث تھے؟

حضرت علیہ السلام درحقیقت نبی نہ تھے بلکہ ولی اللہ تھے اور ابدالوں کے زمرہ سے تعلق رکھتے تھے جنہیں اللہ کی طرف سے اور اس کے حکم سے الٰہی مشیت کو پورا کرنے کے لئے تصرف کی خاص قوتیں ودیعت کی جاتی ہیں۔ یہ اولیاء اللہ دراصل تکوینی امور میں تقدیر کے رازوں سے باخبر ہوتے ہیں اور مشیت کے آلاء کار بن کر بنی نوع انسان کی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام اپنے وقت کے اولوالعزم نبی تھے۔ اس لئے ان کی ملاقات بھی ولیوں میں سے اعلیٰ منصب کے ایک خاص ولی سے کرائی گئی جو اپنے وقت کا غوث یا قطب الاقطاب تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سر قدر کے اس پہلو سے اس حد تک آگاہ نہ تھے کہ اس کی جزئیات و تفصیلات بھی ان کے علم میں ہوں لیکن ان کا یہ جاننا ضروری تھا کہ اللہ کے ہاں اس کا ایک الگ شعبہ ہے جس میں ملائکہ اور ملائک صفت انسان اس کے حکم کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں اور انسانوں کے درمیان جس قدر امور ظاہر میں واقع ہو رہے ہیں، ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی الٰہی حکمت ضرور کارفرما ہوتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ اس کی اصل حکمت سے عوام اور بعض حالات میں خواص بھی بے خبر رہتے ہیں اور ان کا باخبر ہونا ضروری بھی نہیں ہوتا۔ تاہم اس مرتبے میں یہ بات اس لئے ایمانیات سے تعلق رکھتی ہے کہ ہم اللہ کو حکیم و خیر ماننے ہیں لہذا ہمارے لئے اس کی حکمت و مصلحت پر ایمان رکھنا ضروری ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت علیہ السلام سے ملنے کا حکم ہوا تھا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ ایک معمولی سے معمولی واقعہ بھی مصلحت کے بغیر رونما نہیں ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام کے اطمینان قلب یا حق یقین کے لئے انہیں ایک مرد خدا کے پاس بھیجا گیا جو محض خدا کے حکم سے بعض ایسے کام کر رہا تھا، جن کی حکمت ظاہر میں عام نظروں سے پوشیدہ رہتی ہے۔

اب صرف ایک اعتراض باقی رہ جاتا ہے کہ اگر وہ انسان تھے اور ولی تھے تو جیسا

سب کچھ کر رہے تھے مگر جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے، اس سے نبوت کا منصب ثابت نہیں ہوتا۔ صاحب تفسیر حقانی نے نبوت کے منصب کا ذکر نہیں کیا اور انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، حضرت علیہ السلام کے علم اور مرتبہ کے بارے میں حقیقت پر مبنی ہے۔ انہوں نے بیان کیا ہے:

”انسانوں میں سے بعض نفوس ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے قویٰ خیالیہ و حیۃ انوار و لمعان روحانی کی وجہ سے ضعیف ہو جاتے ہیں اور ان کی قوت مملکیہ ان پر یہاں تک غالب ہوتی ہے کہ اگر ان کو طبقہ ملائکہ میں شمار کیا جائے تو کچھ بعید نہ ہو اور ان کی روح علوم و معارف الٰہیہ کے لئے ایک آئینہ پُر جلا ہوتی ہے۔ تب ان پر بلا توسط غیر عالم غیب کے اسرار فائض ہوتے اور اسی کو علم لدنی کہتے ہیں۔ اُمّت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی حضرت صفت آدمی ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں جن کو ابدال و اولاد و اقطاب کہتے ہیں۔“ (۱)

مولانا حفظ الرحمن سیوہاری نے بھی ”تفہیم القرآن“ میں اس بحث کو ان جملوں کے ساتھ ختم کیا ہے:

”خلاصہ بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ایک ایسے بزرگ سے کرائی جن کا نام حضرت علیہ السلام تھا، ان کو بعض اسرار کونیہ کا وہ علم عطا ہوا تھا جو حضرت موسیٰ کو نہیں دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان حضرت حضرت علیہ السلام سے کہیں زیادہ ہے۔ حضرت حضرت علیہ السلام کا تذکرہ جس انداز سے قرآن عزیز نے کیا ہے اس سے یہی راجح نظر آتا ہے کہ وہ نبی تھے۔“ (۲)

کہ ہم نے ان کے نبی فرض کرنے کے بارے میں سوال اٹھایا تھا کہ لوگوں نے ان کو منع کیوں نہیں کیا۔ یہاں بھی اٹھا سکتے ہیں۔

صحیح بخاری کے باب کتاب التفسیر میں لَاقَا مَنَّا (پس اس نے دیوار سیدھی کر دی) کے بارے میں روایت کی گئی ہے کہ خضر علیہ السلام نے دیوار پر ہاتھ پھیرا اور وہ سیدھی ہو گئی تھی، اس سے ہم دوسرے واقعات کے بارے میں بھی قیاس کر سکتے ہیں۔ زبانی روایات میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک بات بیان کر دی گئی، دوسری رہ گئی۔ دراصل کشتی کا کوئی حصہ بھی ایسے ہی ٹوٹا ہو گا کہ خضر علیہ السلام نے محض اپنی باطنی توجہ سے سوراخ کر دیا۔ اب دوسرے لوگوں کی نظروں سے تو یہ سب اوجھل رہا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام تو دیکھ رہے تھے کہ گویا بطن کے زور سے ایسا کیا ہے مگر کیا تو خضر علیہ السلام نے ہے۔ اسی طرح وہ جو لڑکے کو مار ڈالا ہے، وہ بھی بطن کے ہتھیار یعنی توجہ سے ایسا کیا ہو گا۔ یہاں بھی قتل کا سبب لوگوں سے مخفی رہا۔ وہ تو یہی سمجھے ہوں گے کہ بس کسی وجہ سے گر پڑا اور مر گیا لیکن موسیٰ علیہ السلام تو جانتے تھے کہ گویا لوگوں کو معلوم نہ ہو مگر یہ کام کیا خضر علیہ السلام نے ہے اور اس فعل کا ظاہر میں کوئی جواز ان کے پاس نہیں۔ دیوار کے بارے میں تو روایت موجود ہی ہے کہ اس پر ہاتھ پھیرا اور سیدھی کر دی۔

توجہ کے اثرات کے بارے میں صوفیاء کے تذکرے واقعات سے پر ہیں۔ اور یہ ایسا ہتھیار ہے کہ اس سے پتھر پھٹ جاتے ہیں، آدمی مرجلتے ہیں اور بعض اوقات ذہنوں کی دنیا تبدیل ہو جاتی ہے۔ خضر علیہ السلام اسی باطنی توجہ سے سب کچھ کر رہے تھے۔ اس لئے ان کے آس پاس لوگوں کو کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ ان واقعات کے پیچھے کیا طاقت کام کر رہی ہے۔

یہ ثابت کرنے کے لئے بھی کہ غوث، قطب اور ابدال کیا اس طرح الٰہی مشیت کے تحت عمل پیرا ہوتے ہیں، پھر اولیاء اللہ کے علوم کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ان کے علم کی رو سے ظاہر ہے کہ اس گروہ کے اہل خدمات خوارقِ عادت طریقوں سے

یہ کام کرتے رہتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ اس کے لئے خاص قوتوں سے نوازتا ہے۔

کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

اکثر صوفیاء و محدثین اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام اب تک زندہ ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کی رو سے بعض نے کہا ہے کہ وہ اگر زندہ تھے تو اب وفات پا چکے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت کے قریب فرمایا کہ ہر ایک جاندار جو روئے زمین پر ہے، بعد سو برس زندہ نہ رہے گا یا ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری زیارت کرتے۔

صوفیاء کے مکاشفات اور علماء کے علمی نکات کے مطالعہ کے بعد مجھ فقیر کی تحقیق یہ ہے کہ خضر اپنے وقت کے غوث تھے اور ہر زمانے میں ایک بزرگ اس مقام پر ہوتا ہے اور وہ گونا گوں طریقوں سے کارگاہ حیات میں لوگوں کا مددگار و معلوم ہوتا ہے۔ ان کے غوث یا قطب الاقطاب ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس کی روایت حضرت علی علیہ السلام سے کی گئی ہے۔ انہوں نے مختلف ملکوں میں ابدال و اوتاد کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا **وَالْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَيِّدُ الْقَوْمِ** اور خضر علیہ السلام سب قوم کے سردار ہیں (یہاں بھی خضر سے مراد خضر علیہ السلام کا ہم مرتبہ مرد حق ہے۔

خضر علیہ السلام بطور صاحب ارشاد ولی:-

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے کم از کم غوث کے مرتبہ والے ولی کو مرشد کے منصب کے لائق سمجھا ہے کیونکہ اللہ نے ان کے رشد و علم و معرفت کی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید سے خضر کی پانچ خصوصیات مستنبط ہوتی ہیں اور یہی صاحب ارشاد کے لئے لازم اور مختص ہیں۔ ایک بزرگ نے اپنے ایک رسالے میں انہیں یوں بیان کیا ہے:

اول: مُجَمَّعُ الْبَحْرَيْنِ (دو دریاؤں کا ملاپ) سے شریعت و حقیقت، معرفت صفات و اسماء الہی اور ظاہر و باطن کے جامع ہونے کی صفت مراد ہے۔

دوم: فُلُوجِدُ عَبْدًا "مَنْ عِبَا حَنَا" (پھر ایک بندہ ہمارے بندوں میں کا پایا) عبودیت یا قربت کا وہ مقام مراد ہے، جہاں بندہ غلت ارشاد و خلافت کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اس کا نام عبد اللہ رکھا جاتا ہے۔

سوم: عبودیت کی یہ صفت اس کی حیات دائمی پر بھی دال ہے۔ اس جہاں میں رہتے ہوئے بھی اب وہ ہمیشہ رہنے والے جہاں کا آدمی ہے۔

چہارم: اَتَمَّاهُ وَحَمَّتْهُ "مَنْ عَنِئْنَا" (جس کو ہم نے اپنے پاس سے اپنی مردی تھی) ایہاں رحمت سے مراد وہ خصوصیات ہیں جو اللہ کے امر سے اس کی حفاظت کرتی ہیں اور اس کے امر کی تعمیل میں اس کی معاون ہوتی ہیں۔

پنجم: وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا (اور اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا) اس سے مراد علم معارف ہے۔ (۱۳)

واقعہ موسیٰ و خضر کی حکمت:

(علیہما السلام)

برتر قدر اور مشیت:-

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد سیاسی بھی تھا اور دینی بھی۔ سیاسی یوں تھا کہ اپنی قوم کو وہ فرعونوں سے نجات دلا کر مصر سے نکل لانا چاہتے تھے اور دینی اس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی قوم کی اخلاقی و روحانی اصلاح بھی کر رہے تھے۔ انہیں ان فرائض کی ادائیگی میں بہت سی مشکلات پیش آ رہی تھیں جن میں سے اکثر مغیبت سے متعلق تھیں۔ مثلاً "ایک قوم ظالم و کافر ہے، اللہ بھی اس کے خلاف ہے مگر پھر بھی غالب اور حکمران ہے۔ لوگ بظاہر اچھے ہیں مگر وہ مشکلوں میں کیوں پڑ جاتے ہیں؟ لوگ بد ہوتے ہیں مگر وہ خوش حال کیوں نظر آتے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ واقعی نیک لوگوں کی مدد کرتا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو اس کی مشیت کیسے کام کرتی ہے؟ اس قسم کے کئے

سوالات تھے جن کے جوابات سے وہ مطلع ہونا چاہتے تھے۔ قرآن مجید میں ان کی قوم کے اس شکوہ کا ذکر ہے کہ لوگوں نے کہا: اے موسیٰ! جب تو نہیں آیا تھا تو تب بھی ہم پر ظلم ہوتے تھے اور اب کہ تو خدا کی طرف سے مبعوث ہوا ہے، پھر بھی ان مظلوم میں کمی نہیں آئی۔ (الاعراف: ۳۹) خود موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ سے فتح اور غلبہ کے متدعی تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور رسول یعنی موسیٰ علیہ السلام کو سر قدر اور مشیت کے بارے میں حق یقین کے درجے تک لانا چاہتا تھا اور اسے بتانا چاہتا تھا کہ اللہ کی مشیت برابر کام کر رہی ہے۔ اور ایسے ذرائع اس کی زیر کفالت کار فرما ہیں جن تک ظاہر میں نگاہ و عقل کی رسائی نہیں۔ اوپر خرابی نظر آتی ہے لیکن اس کے نیچے درستی احوال کے لئے عوامل کام کر رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کے معاملات میں بھی بلا خرابیاں ہی ہو گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کچھ دیر اور صبر کرتے تو کئی اور پُر حکمت باتیں نکلتیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض مکاشفہ نہ تھا۔ یہ عین روزمرہ کی زندگی کا واقعہ تھا جس میں بعض وقوعات پر موسیٰ علیہ السلام ضبط نہ کر سکے۔ لیکن وہ اب اللہ کی مشیت اور تقدیر کی چند جھلکیں دیکھ چکے تھے اس لئے اپنی قوم کی طرف واپس چلے آئے جہاں ان کا اصل مشن تکمیل کے لئے ان کا منتظر تھا۔

موسیٰ و خضر کے واقعہ سے مستنبط معلومات:-

(علیہما السلام)

قرآن مجید کے اس بیان کردہ واقعہ سے حسب ذیل حقائق کا استنباط ہوتا ہے:

۱۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کو شرح و بسط کے ساتھ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ سر قدر اور مشیت کے بارے میں کچھ ایسے ہی سوالات ہر سوچنے سمجھنے والے مومن کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ تشفی کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے مابین ملاقات و واقعات کا حال بیان ہوا۔

۲۔ اللہ کے اسرار قدر پر ہر ایک مطلع نہیں ہوتا اور عدم اطلاع سے کسی کے

بلند روحانی مرتبہ میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۳۔ اللہ کے کچھ بندوں کو نہ صرف سر قدر کا علم دیا جاتا ہے بلکہ اس کی مشیت کو عمل جملہ پہنانے کے لئے خاص قوتیں بھی ودیعت کی جاتی ہیں۔

۴۔ اللہ کے یہ بندے عام نگاہوں سے مخفی رہتے ہیں۔ صرف ان کو کچھ پتہ ہوتا ہے جن کے سامنے خود کو یہ ظاہر کر دیں یا خدا ان کے بارے میں کچھ مطلع کر دے۔ اللہ کے یہ بندے اس قدر عزلت میں رہتے ہیں کہ پیغمبر پر بھی صرف اس صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جب اللہ انہیں اس کا حکم دے۔

۵۔ جس طرح سے یہ کلام کرتے ہیں، اس کی حقیقت بھی عام لوگوں کی نظروں سے اوچھل رہتی ہے۔

۶۔ یہ بندے ملائکہ کی طرح اللہ کے فرماں کی تعمیل کرتے ہیں۔ چونکہ ان کے یہ کلام مخفی نوعیت کے ہیں یا غیب سے متعلق ہیں۔ اس لئے وہ ملائکہ تو نہیں مگر ملائکہ کی طرح کلام کرتے ہیں۔ ان پر ظاہر شریعت کے احکام نافذ نہیں ہوتے۔

مزید غور کیا جائے تو کئی اور دانش کی باتیں بھی علم میں آتی ہیں۔ مثلاً "خضر علیہ السلام کی پیش آمدہ واقعات کے بارے میں گفتگو کے صیغوں کو پڑھا جائے۔ تو خضر علیہ السلام اور ان کے زمرہ کے اہل خدمات کے دائرہ کار و اختیار کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ کشتی کے توڑنے کے بارے میں خضر علیہ السلام صیغہ واحد متکلم استعمال کرتے ہیں۔ فَلَوْفَتْ (سو میں نے چلا) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اہل خدمات اولیاء اللہ کو لوگوں کی فلاح و بہبود کے ایسے کاموں میں خود تصرف کا اختیار ہوتا ہے جن میں دوسروں کا نقصان نہ ہو۔ چونکہ ان کے لئے اصل الاصول عوام الناس کی خدمت ہے اس لئے وہ اپنی ذاتی خواہش کے تحت بھی خیر رسانی کا کام کر سکتے ہیں۔ لڑکے کی ہلاکت کے متعلق خضر علیہ السلام صیغہ جمع متکلم تعظیمی استعمال کرتے ہیں جس سے حکومت کے فیصلے اور شاہنشاہی اختیار کا اظہار ہو رہا ہے۔ اہل خدمات اولیاء اللہ بعض اہم امور کو ایوان الصالحین میں طے کرتے ہیں یعنی کارپردازان زمرہ ابدال جمع ہو کر ان

کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں۔ چونکہ لڑکے کی ہلاکت کا معاملہ درپیش تھا، ایسا فیصلہ خضر علیہ السلام اکیلے نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لئے یہ فیصلہ ایوان الصالحین کا معلوم ہوتا ہے جو فَخْشَمْنَا اور فَلَوْفْنَا (پھر ہم ڈرے اور ہم نے چلا) سے ظاہر ہے۔ صاحب تجربہ و مشاہدہ اولیاء اللہ نے ایوان الصالحین کی کارکردگیوں کے بارے میں ایسا ہی لکھا ہے۔ دیوار کے بارے میں خضر علیہ السلام لَا دَا دُنْکَ (پھر تیرے رب نے چلا) بتاتے ہیں۔ یعنی اللہ کی صفت ربوبیت کا تقاضا تھا کہ نیک لوگوں کی لولاد کے بل و مثل کی حفاظت ہو۔ چنانچہ خضر علیہ السلام کو براہ راست الہام ہوا کہ دیوار کو سیدھا کر دیا جائے۔ (۱۳)

معلوم ہوا کہ اہل خدمات کو ذاتی تصرف کا بھی اختیار ہوتا ہے۔ وہ اہل خدمات کے اجتماعی فیصلے کو بھی نافذ کرتے ہیں اور اللہ کے الہام و القاء کے تحت بھی لوگوں کی کار بر آری کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں کہ کاش موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے، سمجھا جاسکتا ہے کہ اسی طرح مقلات تصرف کا دائرہ وسیع بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ سب کلام چونکہ "زیر ہدایت مدبر الامر" عمل میں آ رہے ہیں۔ اس لئے ان کو اللہ کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔

رَحْمَتُهُمْ مِنْ رَبِّكَ ("یہ سب کچھ ہوا" تیرے رب کی مہربانی سے)

اور وَمَا لَعْنَتُهُ عَنْ أَمْرِی (اور میں نے یہ اپنے حکم سے نہیں کیا) سے یہی مراد ہے۔

احادیث میں ذکر ابدال:-

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے زمرہ ابدال کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا جس میں "قربیا" "میں کتب دروۃ" سے ابدال کی احادیث جمع کی ہیں۔ موجود زمانہ کے ایک شیخ مولانا اللہ یار خان صاحب (دامت برکاتہ) کا کہنا ہے کہ یہ ان کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے جس میں سے انہوں نے اپنی کتاب دلائل السلوک میں یہ احادیث نقل کی ہیں۔ (۱۵) اسی طرح مولانا عبدالعزیز مرنگوی نے ابدالوں کے بارے میں احادیث پر مشتمل ایک مجموعہ "احوال ابدال" ترتیب دیا تھا۔ (۱۶) ان دونوں کتابوں میں

سے چند ایک احادیث نقل کی جا رہی ہیں۔

احادیث الرسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

۱۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے تین سو بندے مخلوق میں ہیں جن کے قلوب حضرت آدم علیہ السلام کے قلب کی مانند ہیں۔ چالیس ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب کی مانند ہیں۔ سات ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کے سے ہیں۔ پانچ ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت جبریل علیہ السلام کے قلب پر ہیں۔ تین ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت میکائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں اور ایک بندہ ایسا ہے جس کا قلب حضرت اسرائیل علیہ السلام کے قلب پر ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ کے مرید و خلیفہ حضرت مولانا یعقوب چرخنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے نہایت ہی مختصر رسالہ ”ابدالیہ“ میں یہی حدیث نقل کی ہے۔

۲۔ بیہقی: میری امت کے ابدال اپنے اعمال کے سبب سے جنت میں داخل نہ ہوں گے بلکہ اللہ کی رحمت سے، نفسوں کی سخاوت سے اور سینوں کی سلامتی سے داخل ہوں گے۔

۳۔ یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابدال اہل علم ہیں۔

۴۔ بکر بن خنیس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کے ابدال کی یہ علامت ہے کہ وہ کبھی کسی شے کو لعنت نہیں کرتے۔

۵۔ امام احمد کی حدیث: اس امت میں ابدال ہیں ہوں گے جن کے قلوب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قلوب پر ہوں گے اور ان میں سے جو فوت ہو گا، اللہ اس کی جگہ دوسرا بدل دے گا۔

۶۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

چالیس آدمیوں سے زمین خالی نہ رہے گی جو مثل خلیل اللہ کے ہیں۔ ان کی توجہ سے تم پر بارش برسائی جائے گی اور ان کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور ان کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جائے گا۔ مجمع الزوائد میں ہے کہ اس کے اسلو حسن ہیں۔

۷۔ ابن عساکر کی حدیث میں ہے کہ ابدال شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں۔ ان کے سبب سے تمہیں بارش دی جاتی ہے اور ان کی وجہ سے تمہیں دشمنوں پر فتح دی جاتی ہے اور ان کے سبب سے اہل زمین سے تکلیف اور مصائب دور کئے جاتے ہیں۔

۸۔ ابن عدی سے روایت ہے کہ ابدال چالیس ہیں۔ بائیس شام میں ہوتے ہیں اور اٹھارہ عراق میں۔ ان میں سے جو فوت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا بدل دیتا ہے اور جب اللہ کا حکم آئے گا، سب فوت ہو جائیں گے۔ اس وقت قیامت آ جائے گی۔

۹۔ ابو نعیم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ہر زمانہ میں پانچ سو اختیار ہوں گے اور چالیس ابدال، ان دونوں میں کمی نہ ہوگی۔ ان میں سے جو فوت ہو گا ان پانچ سو میں سے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے شخص کو ان چالیس میں داخل کر دے گا۔

۱۰۔ خطیب نے بذریعہ ابوبکر ابن ابی شیبہ حدیث کا اخراج کیا کہ میں نے کتلی سے سنا کہ نقباء تین سو ہیں اور نجباء ستر ہیں۔ ابدال چالیس ہیں، اختیار سات، قطب چار اور غوث ایک ہے۔

احادیث سے مزید معلومات کا استنباط۔

قرآن جو اطلاعات بہم پہنچاتا ہے، ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اب ان احادیث سے مزید حسب ذیل معلومات حاصل ہونگی۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص بندے اس کے ہاں مستحق اجابت شمار ہوتے ہیں۔ ان

کی دعائیں عند اللہ قتل قبول ٹھہرتی ہیں۔

۲۔ وہ ایک مقرر کردہ نظام کے تحت اس طرح کام کرتے ہیں کہ ایک دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ اللہ کی رحمت خود ان کا انتخاب کرتی ہے کیونکہ یہ اس کی رحمت کا آلہ کار ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کے کاموں کے لئے وقف ہوتے ہیں اور ان کے سینے کسی نفسانی لوٹ کے بغیر اللہ کی طرف سے الہام و القاء قبول کرتے ہیں۔

۴۔ ان کے زیادہ تر تصرفات قلب کی توجہ کے ذریعہ ہوتے ہیں کیونکہ کئی روایتوں میں نبیوں سے خاص طور پر ان کے قلوب کی مشابہت کا ذکر آیا ہے۔

۵۔ ان کے عہدے اور مناصب الگ الگ ہیں لہذا ان کے تصرفات اور اختیارات بھی ان ہی کے مطابق ہوں گے۔

۶۔ ان کا کام فرض منصبی کے لحاظ سے کئی بنی امور سے متعلق ہے۔ جیسے دشمنوں پر غلبہ و فتح، خوشحالی و بدحالی یا رفع تکلیف و مصائب وغیرہ۔

۷۔ ان کی کل تعداد یا مختلف علاقوں میں ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔

۸۔ مقرنین کا یہ گروہ اپنے مراتب کے مطابق ہر زمانے میں موجود رہتا ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ رہے گا۔



علوم اولیاء اللہ میں ذکر ابدال

اولیاء اللہ اور رجالِ غیب:-

چونکہ زمرہ ابدال کے افراد اولیاء اللہ میں سے ہی چنے جاتے ہیں اس لئے قرآن و حدیث کے بعد اگر کوئی گروہ سند کے ساتھ ہلت کر سکتا ہے تو وہ انہی لوگوں کا گروہ ہے۔ بعض تو ان میں سے خود کسی نہ کسی طرح ان مناصب سے متعلق ہوتے ہیں ورنہ کم از کم اس گروہ کے متعلق ملاقات یا کشف کے ذریعہ معلومات ضرور رکھتے ہیں۔

ضروری نہیں ہے کہ ہر ولی ان کے متعلق سب کچھ جانتا ہو یا ان سے سروکار رکھتا ہو۔ یہ مشیت کے مخفی کارکنوں کا گروہ ہے لیکن بعض عارفین نے ان کو جانا پہچانا اور ان کے متعلق معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

اولیاء اللہ اس گروہ کے افراد کو رجالِ غیب کی قبیل سے جانتے ہیں کیونکہ یہ لوگ علامۃ الناس کی نظروں سے غائب رہ کر کام کرتے ہیں اور غیبی نوعیت کے کاموں کو سرانجام دیتے ہیں۔ مگر رجالِ غیب میں بقول حضرت شیخ عبدالکریم الجلی رحمتہ اللہ علیہ چونکہ فرشتے اور ارواحِ مقدسہ بھی شامل ہیں اس لئے اولیاء اللہ ان میں تمیز کے لئے ان کو عزلی (۱۷) اہل خدمت اور ابدال کہتے ہیں۔ آگے غوث و قطب اور اخیار و اوتلو یا نجباء و نقباء وغیرہ ان کے مناصب ہیں اور یہ سب اپنی اپنی سطح پر رہ کر کام کرتے ہیں۔

ابدالوں کا انتخاب و تقریر:-

دراصل اللہ کے ہاں تو ہر کام کا اندازہ پہلے سے مقرر ہے۔ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ

قَدْراً مَقْشُوراً۔ الاحزاب: ۳۸) اور اللہ کا کام اندازے پر مقرر کیا ہوا ہے) تقدیر ایک راز ہے جس سے یا تو عارفوں کے قلوب کو مطلع کیا جاتا ہے اور یا پھر ان لوگوں کو اس راز میں شریک کیا جاتا ہے جو الٰہی مشیت کے تحت کارکن بن کر کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ خاص گروہ ہے جس کے افراد کو اللہ کی رحمت اپنے کام کے لئے منتخب کرتی اور مخصوص کر لیتی ہے۔

ان میں سے بعض کو تو فطرت پیدا ہی اس لئے کرتی ہے کہ وہ اسی کام کے ہو کر رہیں۔ یہ پیدائشی طور پر ابدال ہوتے ہیں۔ یہ کسی چھوٹی یا بڑی معاشرتی سطح کے گھر میں بھی جنم لے سکتے ہیں۔ اللہ کے ہاں اس کے لئے اونچ نیچ کی کوئی تمیز نہیں ہے لیکن شروع ہی سے ان پر کچھ ایسی غیر معمولی کیفیات طاری رہتی ہیں کہ ان کے والدین انہیں آسیب زدہ، ذہنی بیمار یا مجنون بھی سمجھتے رہتے ہیں۔ مگر اس سے یہ مطلب ہرگز نہ اخذ کیا جائے کہ تمام ایسے بچے انہی کی قبیل سے ہوتے ہیں۔

سیدی محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک بار ایک بھڑ بھونجا اپنی کسن لڑکی کو حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ (بلو شاہ غوث و قطب) کے پاس لایا کہ اسے جانے کیا ہو گیا ہے؟ آپ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا: ”او ہو“ تم اس کے بارے میں فکر نہ کرو۔ یہ تو اللہ کے ہاں قبول کر لی گئی ہے۔“ بعد ازاں اس لڑکی سے خوارق عادت باتیں ظاہر ہونے لگیں۔ غیب کی خبریں اس پر کھلتی تھیں اور وہ بعض سے لوگوں کو آگاہ بھی کر دیتی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد وہ لڑکی وہیں رہ گئی۔ ایک صاحب کراچی سے ہندوستان گئے تو کچھ زیادہ دن وہاں رہ پڑے۔ ایک دن گلی سے گزرے تو لڑکی گویا خود سے بولی: ”اے دیکھو“ لڑکا گھر میں بیمار پڑا ہے اور یہ یہاں پھر رہا ہے۔“ انہیں بھی کچھ اضطراب لاحق ہوا اور وہاں سے روانہ ہو کر کراچی گھر میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ لڑکا سخت بیمار تھا اور ان کا شدت سے انتظار ہو رہا تھا۔ چنانچہ ان کے آنے پر علاج معالجہ سے وہ رو بصحت ہونے لگا۔

اس زمرہ ابدال میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ کئی سال پہلے جب یہ فقیر

قلات (بلوچستان) میں تھا۔ ایک دوست نے کہیں کہہ دیا کہ فلاں عورت جو بازار میں یا سڑکوں پر پھرا کرتی ہے، شاید ابدالوں میں سے ہے۔ وہ ایک اویڑ عمر کی میاںہ قد کی کسی معزز خاندان کی، بلوچ عورت تھی اور بلوچی زبان میں تیز تیز درشت لہجے میں باتیں کرتی ہوئی گھوما کرتی تھی۔ کبھی کبھی کسی کے ہاں بیٹھ بھی جاتی تھی لیکن کسی کو اس سے زیادہ بت کرنے کی مجال نہ تھی۔ ڈانٹ دیتی اور کبھی کبھی پیٹ بھی دیتی تھی گو ایسی نوبت کم ہی آتی تھی کیونکہ لوگ اسے جاننے اور اس کا احترام کرتے تھے۔ ایسی باتوں کے بارے میں اس دور میں اپنا مبلغ علم بھی کم تھا۔ بے خیالی میں فیصلہ سنا دیا کہ عورتوں کو انتظام پر نہیں لگاتے اور دلیل یہ دے ڈالی کہ عورتیں پیغمبر نہیں ہوتیں۔ اس دوپہر جب قیلولہ کے لئے لیٹا تو خواب میں اپنے تیس قلات کے بازار کے چوک میں کھڑا پایا اور پھر دیکھا کہ وہ عورت تیزی سے چلتی ہوئی آئی اور عین چوک کے درمیان آکر دونوں بازو سیدھے آگے تن کر دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے۔ کچھ اور لوگ بھی ذرا فاصلے پر کھڑے نظر آئے۔ انہوں نے بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور بس منظر ختم ہو گیا۔ مجھ فقیر کو تنبیہ ہو گئی کہ وہ بت غلط تھی۔ عورتوں میں سے بھی ابدال ہوتی ہیں اور وہ عورت ان میں سے ایک تھی۔ جب کام دعا اور توجہ باطنی کا ہے تو عورت بھی یہ کر سکتی ہے۔ بعد ازاں ایک دو مشکلات اس فقیر کی اس عورت کی توجہ سے رفع ہوئیں۔ سنا ہے، اب اس کا انتقال ہو چکا ہے۔

تذکرہ غوفیہ میں حضرت غوث علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بچے کا ذکر کیا ہے جسے انہوں نے راج گڑھ سے آگے ایک گلوں کے ٹکڑے میں دیکھا۔ وہ لڑکا کچھ کھانا پیتا نہ تھا، ہر وقت گویا مخمور حالت میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا تھا۔ پھر اس لڑکے نے ایک دن جنگل کی راہ لی اور وہاں ایک پُر اسرار بوڑھے آدمی سے جاملے۔ اس کا باپ ساتھ ساتھ گیا۔ مگر بلاخر اس بچے نے باپ سے کہا۔ ”بابا! میں مجبور ہوں مجھ کو خدا تعالیٰ نے صرف اپنے کام کے لئے پیدا کیا ہے نہ کہ کسی اور کام کے لئے۔ تم بھی مجھے خدا کے سپرد کرو اور اپنے گھر کو چلے جاؤ۔“ باپ جب واپس ہوا تو جس راہ کو اس نے

چند گھنٹوں میں ملے کیا تھا وہ کئی دنوں کی راہ نکلی۔ اس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔
یہ لڑکا بھی دراصل پیدائشی ابدال تھا جو بلاخر اپنے گروہ سے جا ملا۔ (۱۸)

فوائد الفوائد میں حضرت خواجہ نظام الدین و الحق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ مردان غیب ”جسے قاتل دیکھتے ہیں اور طاعت و مجاہدہ میں علی ہمت پاتے ہیں“ اسے اٹھا لے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ بدایوں میں نصیر نام کا ایک نوجوان تھا۔ میں نے اس سے سنا کہ وہ کہتا تھا کہ میرے والد و اہلین حق میں سے تھے۔ ایک رات دروازے کے باہر سے انہیں آواز دی گئی۔ وہ باہر گئے۔ ہم نے اندر سے السلام علیکم وعلیکم السلام سنا۔ پھر ہم نے اس قدر سنا کہ ہمارے والد کہہ رہے تھے کہ میں بچوں اور گھر والوں کو الوداع کہہ لوں۔ انہوں نے کہا اتنی فرصت نہیں۔ اس کے بعد ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ وہ لوگ اور ہمارے والد کہاں ہیں۔“ ایک دو اور واقعات بیان فرمائے اور مجلس کے اختتام پر فرمایا کہ ”مردان غیب پہلے آواز دیتے ہیں اور بات سنواتے ہیں۔ اس کے بعد ملاقات کرتے ہیں۔ پھر اڑا لے جاتے ہیں۔“ (۱۹)

غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلام سے روایت ہے کہ ایک رات حضرت شیخ معمول سے کچھ پہلے بیدار ہو گئے اور حجرے سے نکل کر شر کے دروازے کی طرف چل دیئے۔ خلام بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ دروازے پر پہنچے تو دروازہ از خود کھل گیا۔ شر سے باہر نکلے تو تھوڑی دور جا کر ایک جنگل آگیا۔ اس میں چلتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک سرائے میں جا پہنچے۔ وہاں چھ آدمی باہر بیٹھے تھے اور اندر کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔ حضرت شیخ کی تعظیم کے لئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے ایک نے حضرت شیخ سے کہا کہ بس اب کچھ سانس بلی ہیں۔ حضرت شیخ اندر تشریف لے گئے اور کمرے میں جاں بلب شخص نے ان کے سامنے آخری سانس لی۔ حضرت شیخ باہر تشریف لائے۔ ان میں سے ایک بڑی بڑی مونچھوں والے شخص کی مونچھیں درست کیں۔ اسے کلمہ طیبہ پڑھنے کے لئے کہا اور حاضرین سے فرمایا: ”مجھے امر ہوا ہے کہ یہ شخص میت کی جگہ میں ابدال ہو۔“ ان لوگوں نے

آپ کے اس فرمان پر سر تسلیم خم کیا اور آپ نے واپسی کی راہ لی۔ خلام بھی ساتھ ساتھ چتا رہا۔ شر کا دروازہ پھر اسی طرح کھلا اور آپ اپنی رہائش گاہ میں آکر اپنے معمولات میں مشغول ہو گئے۔ دوسرے دن خلام نے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: جہاں ہم پہنچے وہ شہر نملوند تھا اور وہ چھ آدمی جو چھ نے دیکھے ابدال کے گروہ میں سے تھے۔ مرنے والے کی جگہ جس آدمی کا تقرر کیا گیا وہ قسطنطیہ کا عیسائی تھا۔ مگر اپنی عہدوت و ریاضت کی وجہ سے اس قاتل تھا کہ اسے ابدال مقرر کیا جائے۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کیا اور اس کی جگہ ابدال مقرر کیا گیا۔ (۲۰)

ان چند واقعات سے ظاہر ہے کہ بعض لوگ ایسی وہی قوتیں ملے کر پیدا ہوتے ہیں کہ ہوش سنبھالتے ہی ابدالوں میں شامل ہو جاتے ہیں (خواہ وہ مرد ہوں یا عورت) اور بعض کو ان کے اعمال اور روحانی خصوصیات دیکھ کر منتخب کر لیا جاتا ہے اور وہ ابدالوں کی تنظیم میں شامل ہو جاتے ہیں۔

ابدالوں کا رہن سہن:-

ابدالوں کے لئے کوئی جگہ یا مقام ایسا مخصوص نہیں ہے کہ وہ وہاں رہیں۔ وہ کہیں بھی رہ سکتے ہیں۔ شہروں میں بھی رہتے ہیں اور دیہات میں بھی، جنگلوں میں بھی رہتے ہیں اور صحراؤں میں بھی۔ لیکن ان کے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ انہیں اپنے علم اور کشف اور کام کو مخفی رکھنا پڑتا ہے۔ لہذا یہ پراسرار ہوتے ہوئے بھی پراسرار نظر نہیں آتے۔ ان میں سے بعض کو سفر کرتے ہوئے کام کرنا ہوتا ہے اور بعض کو مقیم ہو کر۔ جیسی بھی صورت حال ہو، ان پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو چھپا کر رکھیں، شیخ عبدالکریم الجلی رحمۃ اللہ علیہ رجال غیب کی اس قسم کے بارے میں فرماتے ہیں:

”وہ رجال ہیں جو بیابانوں میں رہتے ہیں۔ وہ بھی عالم میں ایک مرتبہ رکھتے ہیں اور وہ نبی آدم کی جنسوں سے ہیں۔ آدمیوں پر ظاہر ہوتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں۔ ان سے کلام کرتے ہیں۔ ان کا جواب دیتے ہیں۔ یہ اکثر پہاڑوں، بیابانوں، دلیوں اور نہروں کے کناروں پر رہتے ہیں۔ ہاں ان

میں سے جو قاور ہے، وہ شر میں عمدہ مکان اور اچھا مقام بنا لیتا ہے لیکن شر کی طرف اس کا کچھ شوق نہیں ہوتا اور اس پر اس کا کچھ اعتدال نہیں ہوتا۔" (۲۱)

حضرت مولانا یعقوب چرنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "ابدالیہ" میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"وہ ابدال ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں۔ بیت الخلاء میں جاتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں، معالجہ کرتے ہیں اور بیمار ہونے کے بلوجود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہ زیادہ تر گھر پر نہیں رہتے بشرطیکہ وہ بیمار نہ پڑ جائیں۔ وہ حمام میں بھی جاتے ہیں، غسل کی اجرت دیتے ہیں لیکن ان کا قطب اپنے مقام پر موجود رہتا ہے۔ اس کی عمر لمبی ہوتی ہے۔" (۲۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اکثر یہ لوگ معاشرہ میں عام لوگوں کی طرح رہن سہن رکھتے ہیں مگر وہ جو کہتے ہیں کہ عوام میں ہی خواص ہوتے ہیں، یہ عوام کے ساتھ رہ کر ہی خاص کام کرتے ہیں۔ کبھی کبھی اپنے تئیں چھپانے کا خاص اہتمام بھی کرتے ہیں تاکہ شہرت نہ ہو اور وہ فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔

فقیر کو ایک بار غیب سے مطلع کیا گیا کہ آج کل ابدال زیادہ تر شہروں میں رہتے ہیں۔ بعد میں اہل خدمات میں سے ایک ملے۔ انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ آج کل چونکہ مسائل و مشکلات شہروں میں زیادہ ہیں۔ اس لئے باطنی توجہ، مدد اور خدمت کی ضرورت شہروں کے لوگوں کو ہے۔ لہذا یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ابدال آباد علاقوں میں آس پاس ہی موجود ہوتے ہیں۔

ابدالوں کے تصرفات:-

اب یہ دیکھئے کہ ابدال کس طرح ظاہر و باطن میں تصرف کرتے ہیں اور ان کا طریقہء کار کیا ہے۔ سبجہ الاسرار میں روایت ہے کہ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر

جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک بار مغلوں کی فوج نے بغداد کا محاصرہ کر لیا اور شہر کے باہر ڈیرے ڈال دیئے۔ لوگ گھبرائے ہوئے حضرت شیخ کے پاس حاضر ہوئے اور دعا و پناہ کے لئے ملجی ہوئے۔ آپ کو ان کی حالت پر رحم آیا اور ایک آدمی سے کہا کہ وہ شر سے باہر مغلوں کی فوج کی آخری حد پر چلا جائے۔ وہاں دو تین آدمی ایک چادر تان کر اس کے سائے میں بیٹھے ہوں گے۔ ان سے جا کر کہے کہ وہ چلے جائیں۔ اگر وہ کہیں کہ ہم تو حکما آئے ہیں تو انہیں کہا جائے کہ اب حکم یہی ہے، یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ آدمی مغل فوج کے کیمپ میں پہنچا اور آخری حد پر اس نے واقعی دو تین آدمیوں کو چادر کے سائے میں بیٹھا ہوا پایا۔ اس نے انہیں حضرت شیخ کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ ہم تو حکم سے یہاں آئے ہیں۔ جب انہیں بتایا گیا کہ اب حکم یہی ہے تو انہوں نے چادر اتار لی اور چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ان کی اس حرکت کے ساتھ دیکھا گیا کہ تمام لشکریوں نے اپنے خیمے اکھاڑنے شروع کر دیئے اور واپس کوچ کی تیاری کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں مغل فوج نے محاصرہ اٹھا لیا اور بغداد کی حدود سے رخصت ہو گئی۔ (۲۳)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ان کے ایک عقیدت مند اور مرید نواب صاحب بیان کرتے ہیں کہ دہلی کے گرد و نواح میں قحط پڑ گیا۔ دیمات کے کچھ لوگ حضرت شاہ صاحب کے پاس آکر دعا و رفع بلا کے لئے ملجی ہوئے۔ انہوں نے فرمایا: یہ مصیبت یوں رفع نہیں ہوگی۔ اس کے لئے کسی بزرگ سے دعا کرو۔ انہوں نے کہا: پھر آپ ہی کچھ پتہ بتائیے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ارباب نشاط کے کوچے میں چلے جاؤ، وہاں تمہیں بیچڑوں کا ایک گروہ ملے گا ان میں جو زیادہ تالیاں بجاتا ہو گا اس کو جا کر کہو کہ وہ دعا کرے۔ چنانچہ وہ لوگ وہاں گئے۔ انہیں بیچڑوں کا ایک گروہ اور ان میں ویسا ایک شخص ملا۔ اسے پیغام دیا تو اس نے تلی بجا کر کہا کہ میں کہاں اور دعا کہاں؟ شاہ صاحب نے مذاق کیا ہو گا۔ مگر جب یہ لوگ نہ بٹے تو بالاخر اس نے کہا۔ اچھا شاہ صاحب کو عرض کر دیجئے کہ آج شام خواجہ نظام الدین اولیاء کی

درگاہ پر آکر دعا کریں گے۔ وہ بھی تشریف لائیں۔ شاہ صاحب کو انہوں نے آکر بتایا۔ شاہ صاحب بھی شام کو اپنے شاگردوں کے ہمراہ درگاہ پر پہنچ گئے۔ دیکھا تو تمام خواجہ سرا صف میں بیٹھے تھے اور شاہ صاحب بھی انکے سامنے بیٹھ کر مراقبے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں بزرگوں نے سر اٹھایا اور کہا کہ قبولیت کا دروازہ کھلا ہے جو دعا کرو گے قبول ہوگی۔ حاضرین نے دعائیں مانگیں لیکن ان دونوں بزرگوں نے صرف بارش کے لئے دعا کی۔ دعا ختم ہوتے ہی دور سے بجلی چمکتی دکھائی دی اور ہوا چلنے لگی۔ شاہ صاحب نے کہا۔ اب جلدی جلدی گھر چلو ورنہ بھیگ جاؤ گے۔ خوب بارش ہوئی اور قحط دور ہو گیا۔ (۲۳)

غوث علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے سفروں کے درمیان ایک آدمی نے بتایا کہ وہ گھر سے جا کر کہیں کسی راجہ یا نواب کے ہاں ملازم ہو گیا۔ وہاں کسی حریف ریاست کے خلاف جنگ چھڑ گئی جس میں بہت لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے۔ یہ بھی زخمی ہوا۔ اتنے میں دیکھا کہ کچھ برہمن پانی لے کر پہنچے ہیں اور زمینوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ اس کے پاس بھی ایک برہمن پانی لے کر آیا مگر اس نے کافر جان کر اس کا پانی پینے سے انکار کر دیا۔ اس نے کان میں کہا: پانی پی لو، میں حاضر ہوں اور یہ لوگ ابدال ہیں۔ اس نے پوچھا: پھر یہ کیا شکل بتائی ہے۔ اس نے کہا اگر ایسا نہ کرتے تو یہ لوگ جو سب ہندو ہیں، کسی غیر مذہب کے ہاتھ سے پانی نہ پیتے اس لئے تم پی لو۔ اس نے کہا۔ اگر ایک بار پھر آکر کہیں مجھے ملو تو پیتا ہوں۔ اس نے وعدہ کیا پھر کئی برس بعد ایک سپاہی ان کے گھر آیا اور کہا۔ آپ سے وعدہ تھا اس لئے آ گیا ہوں۔ یہ نہ پہچانے۔ اس نے کچھ دیر کے بعد کہا۔ اچھا، اب جاتا ہوں۔ اس کے جاتے ہی انہیں خیال آیا، کہیں یہی آدمی خضر نہ ہو لیکن وہ غائب ہو چکا تھا۔

جن دنوں ہندوستان کی آزادی اور تقسیم کا مسئلہ درپیش تھا۔ مولانا حسین احمد مدنی نے رات کے دو بجے اپنے دو ساتھیوں کو طلب کر کے بتایا کہ اصحاب باطن نے ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ کر دیا ہے اور ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ بنگال اور پنجاب

کو بھی تقسیم کر دیا۔ اس پر ان میں سے ایک نے کہا کہ اسباب ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ اس پر مولانا مدنی نے کہا کہ ہم لوگ ظاہر کے پابند ہیں، جس بات کو حق سمجھتے ہیں، وہ کہتے رہیں گے۔ (۲۴) (فقیر کو ایک ذریعہ سے پتہ چلا ہے کہ اس زمانہ میں قطب الاقطاب مولانا عبدالسلام نیازی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ہو سکتا ہے، انہوں نے یا کسی اور نے مولانا کو خبر دی ہو، مولانا کو اسی طرف سے وہیں رہنے کی ہدایت کی گئی تھی کہ کوئی وہاں مسلمانوں کا پرسان حل بھی رہے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْعَمَلِ)

ممتاز مفتی نے "بلیک" میں ایک ایڈووکیٹ کا ذکر کیا ہے جو اہل خدمت میں سے تھے۔ ۱۹۶۵ء کی ہندوپاک جنگ میں وہ صدر ایوب مرحوم کو خطوط کے ذریعہ ہدایت بہم پہنچانے پر مامور ہوئے۔ ایکشن کے بارے میں انہوں نے ایوب کو لکھا تھا۔ "یہ طرز عمل اختیار نہ کیجئے، کامیاب ہو جاؤ گے لیکن بے عزتی ہو گی۔" ۱۹۶۵ء کے سیز فائر سے بہت پہلے انہیں خبردار کیا کہ سیز فائر نہ کیا جائے اور اگر امر مجبوری ہو تو صرف چند گھنٹوں کے لئے۔ پھر تاشقند جانے سے پہلے انہیں لکھا گیا کہ وہاں نہ جاتیں اور کچھ نہ کر سکیں تو نمائندہ بھیج دیں، نہیں تو باعث تذلیل ہو گا۔ لیکن صدر ایوب نے اس کے برعکس کیا۔ وہ ایڈووکیٹ صاحب حج پر تشریف لے گئے وہاں روحانیین کی ایک اعلیٰ کانفرنس میں شرکت کی۔ صدر ایوب کو ہٹانے کا فیصلہ ہوا۔ انہوں نے صدر موصوف کو اس سے بھی مطلع کر دیا۔ "صدر ایوب نے ناراض ہو کر ایڈووکیٹ صاحب کے پیچھے پولیس لگا دی۔ ایڈووکیٹ صاحب کا تو کچھ نہ بگڑا لیکن ایوب خان کی صدارت کا تیر ضرور کمان سے نکل گیا۔" (۲۷)

بعض اوقات قطب ارشاد خواب میں کسی واقعہ کو مشہل دیکھتا ہے اور حالات اس کے مطابق رخ اختیار کر لیتے ہیں۔ اس میں زمرۂ ابدال کے لوگ اور تمام روحانیین مکیہ اور مہجہ ہو جاتے ہیں۔ فیوض الحرمین میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک رویہ بیان فرمایا ہے۔ آپ نے اپنے آپ کو کو قائم الزمان (قیوم یا قطب الاقطاب) کے طور پر دیکھا کہ کفار کا بادشاہ مسلمانوں پر غلبہ آ گیا ہے اور اس

نے ان کے مالوں کو لوٹ لیا اور اولاد کو غلام بنا لیا اور شر اجیر میں کفر کی باتوں کو رائج کر دیا ہے۔ نتیجتاً ”اللہ تعالیٰ زمین والوں پر بہت ناراض ہوا اور یہ غضب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب متوجہ ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے تئیں ایک فوج کے درمیان پایا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ سب ان کے غضبناک ہونے کی بناء پر غضبناک ہیں اور دریافت کر رہے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے۔ آپ نے انہیں قتل کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ اب شہروں پر شرفح ہونے لگے حتیٰ کہ ایک موقع پر کافروں کے بلو شاہ کو پکڑ کر زنج کر ڈالا گیا۔ فرماتے ہیں: ”جس وقت میں نے خون کو دیکھا کہ اس کی رگوں سے فوارہ کی طرح نکل رہا ہے تو میں نے کہا کہ اس وقت رحمت نازل ہوئی ہے۔“ چنانچہ وہی قتل کرنے والے مسلمان رحمت کا مظہر بن گئے۔ اس خواب میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے تئیں اللہ کے نظام الخیر کے جارح کے طور پر دیکھا جو اللہ کی مراد کا انجام کر رہا ہے۔ بعد میں ایسا ہی ہوا کہ جانوں اور مرہٹوں کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کی جنگ ہوئی۔ بہت مارے گئے، مرہٹہ سردار کام آیا اور مسلمانوں کے لئے امن و عافیت کی صورت پیدا ہوئی۔ (۲۸)

ایک بار اس فقیر نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا۔ پاکستان میں حکومت کی وعدہ خلافیوں کی وجہ سے حالات دگرگوں رنگ اختیار کر چکے تھے۔ اس فقیر نے اپنے آپ کو ایک اولی الامر بلو شاہ کے رنگ میں ایک عالی شان قلعے کی سیڑھی پر سرودھ کھڑے ہوئے دیکھا۔ دور سے لوگوں کی چیخ و پکار اور شور کی آواز سنائی دی۔ اتنے میں دیکھا کہ لوگ ایک باغی کو ارد گرد سے گھیرے پکڑے ہوئے لا رہے ہیں، سامنے آکر نیچے کی سیڑھی کے سامنے وہ رک گئے۔ وہ باغی قلیل کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس کے مونے مونے گداز بازو ننگے تھے اور پنڈلیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ سر پر بھی کچھ نہ تھا۔ مگر وہ ان کے درمیان گھرے ہوئے بھی نہایت دلیر اور بے باک دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے آتے ہی دہائی دی کہ میری درخواست پر بھی تو غور کیا جائے۔ اس پر فقیر کے منہ سے نکلا ”ہاں تمہاری درخواست پر غور کیا جائے گا“ اور بس منظر ختم ہو گیا۔ بعد ازاں اس

حکمران کو عوام کا باغی تصور کیا گیا اور سزا ہو گئی۔ فقیر کا خیال ہے کہ یہ روایہ کسی اور صاحب وقت بزرگ ہستی کے مثالی تصور کا عکس تھا جو اس فقیر کی روح پر پڑا یا طلاء اعلیٰ کے کسی سردار کے اقتضاء کا انکشاف تھا۔ دونوں صورتوں میں بات ایک ہی ہے۔

اپنے وقت کے غوث حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز اپنے گھر کے دروازے کے سامنے تشریف فرما تھے، مریدین بھی حاضر خدمت تھے، جہاں گھوڑی تھی، اس کے عقب سے گرد اٹھی۔ زمین دیہن سے تڑکی اور ایک شخص نمودار ہوا۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر سرگوشی کے انداز میں گوش مبارک میں کچھ کہا۔ حضرت نے فرمایا: قضاء الہی میں کوئی چارہ نہیں، دخل دینا ٹھیک نہیں ہے۔ آنے والا اسی طرح سے بنید ہو گیا۔ حاضرین حیرت زدہ بیٹھے رہے، حضرت نے فرمایا: یہ دہلی کے قطب تھے، فرخ سیر سے دل بگلی رکھتے ہیں۔ اس کے سر پر اجل منڈلا رہی ہے۔ آئے تھے کہ فقیر سے اس کے بارے میں درگزر کی درخواست کریں چونکہ امر الہی میں دخل دینا نہ چاہئے، قطب دہلی کو میں صاف جواب دے دیا۔ (۲۹)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک صاحبزادے کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک ہلاکت خیز، پھیلی اور لوگ مرنے لگے۔ وہ صاحبزادے بیمار ہوئے اور وفات پائی۔ اس پر وہ وبا ختم ہو گئی اور اس کی سختی ختم ہو گئی۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کی وفات لوگوں کی جانوں کے لئے کفارہ بن گئی اور وہ وبا کی وجہ سے مزید اموات سے بچ گئے۔ مجدد صاحب نے لکھا: ”بتاریخ نہم ربیع الاول روز دو شنبہ فرزند مرحوم خواجہ محمد صادق بجوار رحمت حق بیوست و خود رافدائے عموم خلق ساخت، فَاِذَا لِلّٰہِ وَفَاِذَا لِلّٰہِ وَاجْعُوْنَ۔ فوت ایشاں و تسکین در و با محسوس گشت و مردم شرور و واقعات دیدند کہ میاں محمد صادق می فرماید کہ اس بلا را مَنْ بر خود گر تہم۔ دو روز است کہ در شر تسکین است۔“ (۳۰)

(ربیع الاول کی نو تاریخ کو دو شنبہ کے دن مرحوم فرزند خواجہ محمد صادق کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے اپنے کو عام خلقت کے بچاؤ کے لئے قربان کر دیا فَاِذَا لِلّٰہِ وَفَاِذَا لِلّٰہِ)

ولجمعہ۔ ان کی وفات پر وہاں میں تسکین محسوس ہوئی اور شر کے لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ میاں محمد صلوق کہتے ہیں کہ یہ بلا میں نے اپنے اوپر لے لی ہے۔ اب دوسرے دن سے شہر میں سکون ہے)

اس قسم کے واقعات صوفیاء کے تذکروں اور تاریخ کی کتابوں میں عام ملتے ہیں۔ عام قاری کم علمی یا بے خیالی کی بناء پر ان کو ان کے پورے مفہوم کے ساتھ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ غور کیا جائے تو ان واقعات و مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن میں جو حالات و واقعات رو پذیر ہو رہے ہیں ان کے پیچھے زیادہ تر راجل غیب کا ہاتھ ہوتا ہے۔

محرک اور محرکات:-

ابدال راجل غیب کی ایک جماعت ہیں ورنہ جیسا کہ شیخ عبدالکریم الجلی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان فرمایا، راجل غیب میں تو فرشتے، ارواح مقدسہ اور دیگر کئی اور قوتیں سب شامل ہیں جو اللہ کی مشیت کی تعمیل میں سرگرم کار رہتی ہیں۔ گویا ہم ابدالوں کے کام کے بارے میں اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ظاہر کی سطح پر رونما ہونے والے بیشتر واقعات اور تبدیلیوں کے پیچھے ابدال خود محرک ہوتے ہیں یا پھر ان کی مگرانی میں معاملات سرانجام پا رہے ہوتے ہیں۔ یہاں یہ سوال نہیں کیا جاسکتا کہ اگر ایسا ہے تو پھر ظاہر میں خرابی کیوں پیدا ہوتی ہے۔ اول تو یہی درست نہیں کہ ابدالوں کے نزدیک بھی صحیح کلام وہی ہے جسے ہم ظاہر میں صحیح سمجھتے ہیں۔ خضر و موسیٰ علیہما السلام کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک وہی کلام خراب تھا جو خضر علیہ السلام کے نزدیک صحیح تھا۔ گو بعد میں سمجھانے پر موسیٰ علیہ السلام کو بھی معلوم ہو گیا کہ مصلحت اسی کلام میں تھی جو خضر علیہ السلام نے کیا۔ مگر جاننا چاہئے کہ ابدال اگر کسی بستی کی دیرانی کے محرک بنتے ہیں تو یہ بھی اس لحاظ سے ان کے نزدیک عین صواب ہوتا ہے کہ بعد ازاں نئی آبادی بہتر ہوگی۔ لیکن محدود نکتہء نظر سے سوچنے والے یا مرنے والے تو اسے اپنے لئے عذاب ہی سمجھتے ہوں گے۔ اپنی اپنی سطح پر دونوں صحیح

ہیں اسی لئے تو اللہ کی تقدیر کو ہر حال برحق مانا جاتا ہے۔

ابدال تصرف ضرور کرتے ہیں اور ان کے تصرفات کی مثالیں بے شمار ہیں۔ بظاہر یہ ان تصرفات میں خود مختار اور آزاد دکھائی دیتے ہیں مگر ان کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ نظر ان کی سرکرد پر رہتی ہے۔ جو کچھ ان پر القاء یا کشف ہوتا ہے، وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

ابدال اور تقدیر:-

اب پوچھا جاسکتا ہے پھر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کے بیان کے مطابق کوئی شخص فلاں بزرگ کے پاس پہنچا تو اس کی دعا سے بلا ٹل گئی یا اس نے توجہ باطنی سے حالات میں تصرف کر کے ان کا رخ موڑ دیا تو اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے تھوڑا سا تقدیر کے عمل کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ کائنات کے ہر لمحے کا حل اور ہر ذرے کی حرکت اللہ کے علم میں ہے۔ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (میرے رب کے علم میں سب چیز کو سلی ہے) سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے اور اسی کے مطابق زمان و مکان میں ظہور ہو رہا ہے۔ مگر اب نیچے تقدیر کو دیکھئے تو جو کچھ اوپر سے نازل ہوتا ہے اس کی شکلیں پہلے عالم مثل میں بنتی ہیں۔ اہل کشف بلا یا انعام کے اس نزول کو عالم مثل میں دیکھ لیتے ہیں اور اللہ کے حضور میں دعا، تضرع یا زاری سے اس کے رفع و حصول میں تبدیلی لانے والے بنتے ہیں۔ ایک شکل عالم مثل سے ان کے تصرف سے محو ہو جاتی ہے اور دوسری کا اثبات ہوتا ہے تو اس طور پہ بننا، بگڑنا اور محو و اثبات عالم مثل میں جاری رہتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ کے علم کے مطابق ہو رہا ہوتا ہے۔ اکثر بزرگوں یا ابدالوں کی رسائی تو یہیں تک ہوتی ہے لیکن ان میں سے مقررین کبار لوح محفوظ تک دیکھتے ہیں اور یوں کسی تقدیر کے بارے میں حتمی خبر بھی دے دیتے ہیں۔

بذریعہ دعا و توجہ باطنی۔

ابدالوں کی جو صفت بار بار بیان کی گئی ہے وہ ان کی دعا گوئی ہے۔ وہ دعا کرتے ہیں اور اللہ کے نزدیک مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔ دراصل ان کا پورا وجود دعا ہوتا ہے اور وہ ہر وقت امت کے لئے دعا میں مصروف رہتے ہیں۔ بعض بزرگوں کے اور او میں اس ورد اللہم اغفر لا متہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہم الرحیم لا متہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہم انصر لا متہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جملوں کی فضیلت حدیث میں بھی نقل کی گئی ہے اور اس کی شرح میں پوری دعا کے بارے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ یہ دعا پڑھے تو خدا اس کو ابدالوں کا درجہ عطا کرے گا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابدال رحمت عام کی زبان و مثل ہوتے ہیں اور جو بھی عوام الناس یا امت کے لئے دعا کے ذریعہ اس میں ان مؤید ہوتا ہے، وہ اس کے قریب آ جاتے ہیں اور نتیجتاً وہ بھی ان کے قریب ہو جاتا ہے۔

ان کے دلوں میں خلق خدا کی ہمدردی اس قدر ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت ان کی فلاح کی خاطر مصروف عمل رہتے ہیں۔ اسی ہمدردی میں وہ نہایت سوز کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور دعا کی قبولیت کے لئے پہلی اور آخری شرط یہی ورد اور آہ اور تضرع ہے۔ ابدال اس شرط کو پورا کرتے ہیں۔ اگر کہیں کوئی ابدال بددعا بھی کرتا ہے تو اس کے پیچھے بھی وہی خیر کا پہلو ہوتا ہے۔ یہ دعا موسیٰ علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کی دعاؤں کی طرح ہوتی ہے کہ ظالموں کی ایک نسل ہلاک ہو جائے تو پھر دوسری نسل سنور سکتی ہے ورنہ فساد کا یہ سلسلہ لامتناہی زبانوں تک جاری رہے گا۔ (۳۱) اس معاملہ کے پیچھے بھی ظاہر ہے، آنے والی نسلوں کی خیر خواہی منظور ہوتی ہے۔

یہ ابدال اپنی فطرت کے لحاظ سے اس قدر لطیف قلوب و طہلج رکھتے ہیں کہ ہر آن یہ اپنے آس پاس ہونے والے واقعات سے اثرات قبول کرتے رہتے ہیں اور ہر آن ان پر اثر انداز بھی ہوتے رہتے ہیں اور ان کا اثر انداز ہونا اپنی طبیعت کے رنگ

میں ہوتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں، جیسی کسی ولایت کے ابدال کی طبیعت ہوتی ہے، اس کے مطابق اس کے حلقہء اثر میں حالات رخ اختیار کرتے ہیں۔ اگر طبیعت کا سخت ہو گا تو لوگوں کے درمیان ظاہری معاملات میں بھی وہی سختی آ جائے گی اور ٹکراؤ کی صورت نمایاں رہے گی اور اگر نرم ہو گا تو لوگوں کے درمیان بھی محبت و رافت ہو گی۔ اس بات کو جس طور سے بھی سمجھا جائے، حقیقت یہی ہے۔

جب یہ ابدال سرگرم عمل ہوتے ہیں اور خدمت پر کمر بستہ ہو کر باہر نکلتے ہیں تو پھر جہاں جیسے بھی کوئی شخص مشکل میں نظر آئے، اس کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ اللہ کی مشیت پر نظر رکھتے ہیں اور اس کے مطابق اپنی توجہ سے ایسے کام بھی کرتے ہیں جو ظاہر بین نگاہوں میں خطا دکھائی دیں۔ اس وقت مشیت کے نفل میں ان کا نقطہ نظر ظاہری عدالتوں کے ججوں یا انتظامیہ کے ارکن کی طرح معروضی ہوتا ہے۔ اس وقت یہ اپنی محیر العقول طاقتیں کام میں لاتے ہیں اور کام کرتے ہیں۔

تذکروں میں کئی بزرگوں کی توجہ باطنی کے تصرفات کے بے شمار واقعات مل سکتے ہیں۔ یہ توجہ کچھ بھی کر سکتی ہے، مار سکتی ہے، مرنے والے کو جلا سکتی ہے، پتھروں کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہے، ذہنوں سے کسی بات کو محو اور دوسری کا اثبات کر سکتی ہے، کوئی جرم کرنے جا رہا ہو تو ایک آن میں غیر محسوس طریقے پر اس کی نیت کو تبدیل کر سکتی ہے، غرضیکہ توجہ باطنی کے ذریعہ تصرفات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ابدال اس سے بہت کام لیتے ہیں۔

طے الارض اور دوسری قوتیں:-

علاوہ ازیں ابدالوں کو اور بہت سے قوتیں دی جاتی ہیں کہ وہ ایک جگہ سے قلیل وقت میں دوسری جگہ جا سکتے ہیں۔ خواہ فاصلہ سینکڑوں میل کا ہو، ایک جگہ حاضر رہ کر دوسری جگہ اپنے مثالی پیکر کے ذریعہ حاضر ہو سکتے ہیں۔ بہت دور بیٹھے ہوئے کسی بزرگ سے مکالمہ و مخاطبہ کر سکتے ہیں۔ اپنے روحانی قوت کو کسی شیر یا سانپ میں داخل کر کے کسی کو ہلاک کر سکتے ہیں۔ یہ سب قوتیں ان بزرگوں کی ہیں جنہیں ہم

ابدال یا اہل خدمات کہتے ہیں۔ ہندوستان کے بلاتج دین ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ 'مراکش کے سید عبدالعزیز دہلغ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے واقعات کئی مختلف الخیل لوگوں نے دیکھے اور سنے ہیں اور ان کی تصدیق کی ہے۔ پھر ان کی باقاعدہ پکھری ہوتی ہے جہاں یہ مل کر اہم امور کے بارے میں فیصلے کرتے ہیں اور ظاہر میں انہی کے مطابق عمل چیرا ہوتے ہیں۔

یہ سوال پھر غیر متعلق ہو گا کہ ابدالوں کی ان خدمات کے بلوغ طبع جہاں کبھی کبھی ٹماز کیوں ہو جاتی ہے؟ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ابدال تو اللہ کی کارگاہ مشیت کے صرف ایک شعبہ کے ارکان ہیں۔ اللہ کے ہاں تو بے شمار عوامل تبدیلیاں لا رہے ہیں۔ چنانچہ ابدال کا اپنا دائرہ کار اور اختیار ہے۔ جہاں تک ہو سکتا ہے وہ معاملات کو سنبھالے رہتے ہیں مگر کبھی کبھی ان کے کام کی راہ میں روکیں بھی کھڑی ہو جاتی ہیں اور ان کا عمل رک جاتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ مشیت الہی کے تحت رو پذیر ہوتا ہے۔ جیسے تادیبوں کی فوجیں چنگیز خان کی قیادت میں تاخت و تاراج کرتی ہوئیں جب بخارا میں داخل ہو گئیں تو کچھ لوگ دوڑے دوڑے باہر ایک بزرگ کی خانقاہ میں جا کر ان سے رفع عذاب کے لئے ہتھی ہوئے۔ انہوں نے فرمایا۔ ”بھاگ جاؤ“ اس وقت نسیم بے نیازی چل رہی ہے، جدھر کو ہو سکے نکل جاؤ، اس کے سامنے کسی کی نہیں چل سکتی۔“

اس کے علاوہ ابدالوں کے تصرفات کے ساتھ اولیاء اللہ اور بھی کئی طرح سے طبع جہاں پہ اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً ”کسی قطب ارشلو کا تصور حقیقت بن کر ظاہر ہوتا ہے یا کوئی ولی دوسروں کو بچانے کے لئے صدقہ کے طور پر اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں مثل کے طور پر دو واقعات پہلے بیان کئے جا چکے ہیں لیکن اور ہزار طریقے ہیں جن سے اللہ کی مشیت اور تقدیر کام لیتی ہے۔ اس کا مکمل طور پر احاطہ کون کر سکتا ہے۔ وَلِلّٰہِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَلَا رَہِیْ وَكَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا الفتح: ۴ (اور اللہ کے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ خبردار حکمت والا ہے)

وَمَا یَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ الَّذِیْ: ۳۱ (اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر، مگر وہی آپ)



ابدالوں کے مناصب

برجل غیب کی جس قسم کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، ان سب کو ابدال کہا جاتا ہے۔ جس طرح فوج میں جرنیل سے لے کر نیچے ایک پیادے تک سب کو سپاہی کہتے ہیں گو ان کے مناصب میں بہت فرق ہوتا ہے، اسی طرح اولیاء اللہ کے درمیان اس زمرے کو ابدال کہہ کر تمیز کرتے ہیں لیکن اپنی تنظیم میں اختیار اور فرائض کے لحاظ سے ان کے الگ الگ مناصب ہیں۔ ان کے بھی ایسے ہی شعبے ہیں، جیسے ظاہر میں حکومتوں کے ہوتے ہیں اور نظم و ضبط ایسا ہے کہ کوتاہی پر سزا بھی ملتی ہے اور وہ سزا معمولی نہیں ہوتی۔ صوفیاء کے تذکروں میں ان مناصب کی تفصیل کئی طرح سے ملتی ہے۔ بعض کچھ ایسے مناصب کا ذکر کرتے ہیں کہ دوسرے ان کے متعلق کچھ نہیں کہتے۔ یہ شاید اس لئے ہے کہ بعض اہم عہدوں کے علاوہ کچھ نئے وضع کئے جاتے ہیں جو عارضی بھی ہو سکتے ہیں اور کچھ نیچے کی سطح پر ایسے ہوتے ہیں جو خالی بھی رہ سکتے ہیں گویا ظاہر کو دیکھ کر ان کے طریق کار پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ تفصیلی جائزہ میں اوپر سے نیچے کی طرف تذکرہ آسان رہے گا۔

غوث:-

سب سے اوپر غوث ہوتا ہے جسے قطب الاقطاب، قطب مدار یا قطب الابدال کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ معدودے چند قطبوں میں سے چنا جاتا ہے۔ اللہ کا یہ ولی جن میں عند اللہ مستحق اجابت خیال کیا جاتا ہے اور اس کی باطنی توجہ آفاق میں پھیلی ہوتی ہے۔ ہر روز وہ اپنے اقطاب اور بزرگ ابدال کے ساتھ ایوان میں بیٹھتا ہے اور

ایسے فیصلے صادر کرتا ہے جو براہ راست حضرت باری تعالیٰ اور روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کے قلب و روح پر القاء کئے جاتے ہیں۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غوث عرش کے اوپر ستر ہزار پردوں کی خبر رکھتا ہے اور مراتب کے لحاظ سے وہ چھ قطبوں کا سامر تہہ رکھتا ہے۔ (۳۲) مراکش کے حضرت سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ غوث الزمان تھے۔ انہوں نے اپنے عالم مرید احمد بن مبارک سلجاسی کو غوث کے بارے میں یہ معلومات بہم پہنچائیں:

غوث اُمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب ہوتا ہے۔ آپ کی طرف سے اس کے قلب پر جو کچھ القا ہوتا ہے، اس کے مطابق وہ آگے امر کو جاری کرتا ہے۔ روزانہ وہ زمرۂ ابدال کے ساتھ دربار میں بیٹھتا ہے اور اُمت محمدیہ اور اقوام عالم کے بارے میں فیصلے صادر کرتا ہے۔ کبھی کبھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس ایوان کی صدارت کے لئے تشریف فرما ہوتے ہیں جو امر اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ غوث کو پہنچتا ہے، پھر وہ امر ساتوں اقطاب پر پھیلتا ہے اور ساتوں اقطاب سے اہل مجلس پر۔

اگر غوث موجود نہ ہو تو مجلس میں اختلاف کی صورت ایسی ہو جاتی ہے کہ اختلاف کرنے والوں کو دنیا سے اٹھالیا جاتا ہے۔ غوث کا رعب اس قدر ہوتا ہے کہ اس کی موجودگی میں کوئی اپنا ٹھلا ہونٹ تک نہیں ہلا سکتا۔ چہ جائیکہ مخالفت کا لفظ منہ سے نکالے کیونکہ اور تو اور اس طرح اس کے ایمان کے سلب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ”جب اہل دیوان کا اجتماع ہوتا ہے، تو اس وقت سے دوسرے دن تک جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے اس پر اتفاق کرتے ہیں۔ چنانچہ آئندہ دن اور آئندہ رات میں جو کچھ متفقہ الٹی ہونے والا ہوتا ہے اس پر بحث کرتے ہیں۔ ان کا تصرف تمام عوالم میں ہوتا ہے خواہ وہ عالم علوی ہو، خواہ عالم سفلی۔ بلکہ ستر حجابوں میں حتیٰ کہ عالم رقا میں بھی جو کہ ستر حجابوں سے بھی اوپر ہے، ان کا تصرف ہوتا ہے۔ ان کا تصرف ان میں، ان کے رہنے والوں میں، ان کے دلوں میں اور ان کے مافی الضمیر میں ہوتا

غوث کے معنی ”فریاد رس“ کئے گئے ہیں کہ وہ ایک جہنم کی فریاد پر اپنی دعا اور توجہ کے ذریعہ حالات دنیا میں تصرف کرتا ہے۔

غوث کے برابر یا اس سے بڑے اولیاء اللہ۔

ابتداء میں ہی یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ زمرہ ابدال کے اولیاء اللہ عام طور پر نکوئی امور کے ہی مہمراں و عامل ہوتے ہیں گو ان کا تعلق ذکر و مشاغل اور معلم اولیاء اللہ سے رہتا ہے۔ ان کی روحانی طور پر معلومت بھی کرتے ہیں مگر ذمہ داری ان کی وہی ہے یعنی اللہ کی رحمت عامہ کا آلہ کار بن کر انسانوں کی خدمت پر کمر بستہ رہنا۔ کچھ اور اولیاء اللہ ہوتے ہیں جن کے مراتب ان کے برابر یا ان سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ (۳۴) یہ اپنے اپنے طریقوں کے سلوک کے وہ منتہی صاحب ارشاد لوگ ہوتے ہیں جو علم و معرفت اور فیض باطنی کی تلقین و تدریس میں لگے ہوتے ہیں۔ ابدال اکثر ان کے معاون و مؤید رہتے ہیں کہ ان کا مرتبہ علم اور فریضہ ارشاد کی بناء پر ان سے بڑا ہوتا ہے۔

فوائد القواد میں حضرت خواجہ نظام الدین و الحق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان درج ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ فرید الدین و الحق سے کہا، لوگوں کے قول کے مطابق مردان غیب آپ کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس بات کی آپ نے تردید نہ کی، صرف اتنا فرمایا کہ تم بھی تو ابدال ہو (اگر وہ خود ابدال تھے تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ تب یہ سوال انہوں نے کسی کی ترغیت پر حضرت شیخ سے پوچھ لیا ہو گا)

وہ دل جو علم و معرفت میں اپنے زمانہ کا منبع فیض ہوتا ہے، اسے قطب ارشاد کہتے ہیں۔ ایک وقت میں کئی قطب ارشاد بھی ہو سکتے ہیں، یہ اپنے اپنے سلاسل کے صوفیائے طریقت ہوتے ہیں جو لوگوں کو ذکر و فکر کی تلقین کرتے ہیں اور بیعت و ارشاد کے ذریعہ اپنے اپنے طریقہ کو زندہ رکھتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ جو اپنے وقت کا

غوث ہے، اپنے دور کا سب سے بڑا صاحب ارشاد بھی وہی ہو۔ جیسے غوث الاعظم سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے یا کئی دوسرے بزرگ اس طرح کے ہو گذرے ہیں جن کی شخصیت میں دونوں مراتب جمع ہو گئے تھے۔

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”قیوم“ ہونے کا دعویٰ کیا۔ جس کی تشریح انہوں نے یہ کی کہ قیوم اپنے زمانے کا وہ انسان کامل ہے کہ تمام کمالات ظاہری و باطنی اس کے توسط سے ظاہر ہوتے ہیں۔

اسی طرح زمانے میں ایک بلند پایہ ولی ”قطب وحدت“ ہوتا ہے جس کی قوت قدسیہ دنیا کے تمام عوالم روحانی کو متاثر کر رہی ہوتی ہے۔ قطب وحدت کی تین امتیازی خصوصیات بیان کی گئی ہیں اول اگر کوئی آدمی رات دن مسلسل اس کی صحبت میں رہے تو القاء کئے بغیر اس کے لطائف منور ہو جاتے ہیں بلکہ منازل سلوک بھی طے ہونے لگتی ہیں۔ دوم اس کا کوئی تربیت یافتہ اس کی اجازت کے بغیر بھی اگر کسی کے وجود میں لطیف روحانی مراکز روشن کرنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے بلکہ صرف منور لطائف والا شاگرد بھی کسی کو تربیت دینا شروع کر دے تو اسے فائدہ ضرور پہنچتا ہے۔ سوم وہ اپنے عقیدت مندوں کو توجہ غیبی سے فیض دیتا ہے اور منازل بدستور طے ہوتی رہتی ہیں۔ اس فقیر کا خیال ہے کہ یوں تو تمام مریدین اپنے اپنے پیران طریقت کا مرتبہ بلند مانتے ہیں اور انہیں ایسا کرنا بھی چاہئے۔ مگر یہ فقیر اپنے تھوڑے سے علم کی بناء پر جو اللہ نے عطا کیا ہے، یہ سمجھتا ہے کہ سیدی حضرت محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ جو کئی سال تک تادم وصل کلیانوالہ میں حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ (پلوشاہ غوث و قطب) کی درگاہ پر معتمد رہے اور مجھ فقیر کو گلے گلے ان کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا، اپنے زمانے میں قطب وحدت تھے۔ گو انہوں نے کبھی اس کا دعویٰ نہ کیا لیکن ان کی صحبت میں رہنے والوں پر انوار و فیوض کا نزول و نفوذ دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا تھا کہ ان کا رتبہ قطب وحدت سے کم نہیں ہے۔ ان کے پاس اہل خدمت آتے تھے اور وہ بعض کا ذکر بھی کر دیتے تھے۔ اس فقیر نے ان کی وہ انعکاسی کیفیات بھی ملاحظہ کیں

جو خدمات کے ضمن میں کسی غوث یا قطب کے مقربین و مصاحبین کے قلوب پر بھی وارد ہونے لگتی ہیں۔ وہ سب احوال بیان کئے جائیں تو شاید اسے دوسرے عجب و ریا سمجھیں۔ بہر حال ان کے حضور میں روحانی وجدان بڑے یقین سے محسوس کرتا تھا کہ بندہ کسی نہایت ہی عظیم الشان روحانی شخصیت کے حضور میں حاضر ہے۔ (۳۵)

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر اپنی تحقیق یوں بیان فرمائی ہے:

”واضح رہے کہ غوث و قطب تین طرح کے ہوتے ہیں، بعض کو طبقات کے سیر کا طیران حاصل ہوتا ہے۔ اس قسم کے غوث و قطب دہقانی کہلاتے ہیں۔ یہ ایک ولایت سے دوسری ولایت میں اڑ کر جا پہنچتے ہیں۔

دوسرے وہ جو حق کے رفیق ہوتے ہیں اور قبر سے روح کو نکل کر جسم میں داخل کر سکیں۔ یہ لوگ دنیائے فانی کے شور و شر سے فارغ البال ہوتے ہیں اور ہمیشہ معرفت الہی میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کی حالت فرشتوں کی سی اور ان کے مراتب کریم کے سے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو چھپائے رکھتے ہیں۔ خلقت میں گمنام اور لاہوت میں دائمی طور پر حاضر و مشہور ہوتے ہیں۔

تیسرے غوث و قطب تحقیق جو توحید کے دریائے عمیق میں مستغرق ہوتے ہیں۔ انہیں کو فقیر حقیقی کہتے ہیں (انہوں نے) وجود سے حق نکالا ہے اور حق کو حق میں لے گئے ہیں۔ محقق حقیقت اور فنا فی اللہ ہیں۔ معشوق ربانی ہیں۔“ (۳۶)

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صوفیاء کرام اور اولیاء اللہ میں ایک جماعت اہل عشق و مستی کی ہے جو غوث و قطب سے بلند مراتب کے حامل ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

غوث و قطب بہن اورے اورے عاشق جان اکیرے ہو

بیسری منزل عاشق پہنچن اوتھے غوث نہ پاؤں پھیرے ہو
عاشق بیچ وصل دے رہندے بہنہاں لامکنی ڈیرے ہو
میں قربان رہنمائی توں باہو، بہنہاں ذاتوں ذات بے ہرے ہو

(غوث و قطب تو بہت اوجھر رہ جاتے ہیں اور عاشق بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ جس منزل پر عاشق پہنچتے ہیں وہاں غوث کا گزر نہیں ہوتا۔ عاشق وصل میں رہتے ہیں۔ ان کا ڈیرہ لامکان میں ہے۔ میں ان پہ قربان جلوں جن کی ذات نے ذات میں ٹھکانہ بنایا ہے) قطب:-

قطب کے منصب پر فائز اولیاء اللہ عموماً سات ہوتے ہیں اور جب غوث کا انتقال ہوتا ہے تو انہی میں سے جذب قوتی اور تصرف کامل رکھنے والے سربج الاحوال قطب کو غوث متعین کیا جاتا ہے۔ ربع مسکون کو سات حصوں میں تقسیم کر کے ان کی تعداد سات بتائی جاتی ہے۔ یہ اپنے ان سات خطوں میں بلاشلہ ہوتے ہیں اور ان وسیع خطوں کے روحانیین ان کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔ اقطاب ہر روز غوث کے پاس آکر ایوانوں میں بیٹھتے ہیں اور امت کے مصالح کے بارے میں مشیت الہی کا حکم سنتے ہیں یا اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ سوائے اللہ کے ان بندوں کے جنہیں اس کا علم دیا گیا ہو، کوئی بھی ان کے متعلق نہیں جانتا کہ وہ اپنے علاقوں میں کمال رہتے ہیں۔ اپنے وسیع خطوں میں حکومتوں کا اقتدار و اعتبار، عامہ و خلاق کی بہبود کے سب مسائل ان کی ذمہ داری میں شامل ہوتے ہیں۔ ان کے کشف کا یہ عالم ہوتا ہے کہ انہیں اپنے خطہ کے تمام حالات کا علم ہوتا رہتا ہے۔ ان معاملات میں ان کا الہام و القاء بے خطا ہوتا ہے۔ حضرت سلطان باہو قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ قطب کو ساتوں زمینوں اور آسمانوں کی خبر رہتی ہے۔ وہ اس طرح کام کرتے ہیں کہ اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے ہیں اور کسی اور جگہ سینکڑوں میل کے فاصلے پر اپنے روحانی پیکر کو کسی شکل میں

تمثل کر کے کلام سرانجام دیتے ہیں۔ مشہور مثل ”قلب از جانبی جنب“ کا مطلب و مفہوم اسی قدر ہے یعنی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹا مگر دوسری جگہ پر کلام ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ اقطاب آیت قرآنی اَنَّ الْاَرْضَ بِرِثْهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیاء: ۱۰۵) (کہ آخر زمین پر میرے نیک بندے مالک ہوں گے) کی حقیقت کے عارف و منظر ہوتے ہیں۔

قطب کے برابر اولیاء اللہ۔

باطنی تنظیم میں کئی ایسے اور اولیاء اللہ بھی ہر وقت موجود رہتے ہیں جنہیں افراد کہتے ہیں۔ ان کا رتبہ اور قوت روحانی قطب کے برابر ہوتی ہے۔ یہ قطب بھی مقرر ہو سکتے ہیں اور خاص حالات میں انہیں اہم امور کی سرانجام دہی کا فریضہ سونپا جاتا ہے۔ یہ گویا وہ جرنیل ہیں جن کی جنگ کے زمانہ میں خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں ورنہ وہ آزاد رہتے ہیں۔

اسی طرح ایک ولی ”خضر“ کے مقام پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس کے بارے میں کئی تذکروں میں لکھا ملتا ہے کہ یہ وہی خضر علیہ السلام ہیں جو موسیٰ علیہ السلام سے ملے تھے۔ لیکن حق یہی ہے کہ ہر زمانے میں ایک ولی خضر ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ ”حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو قطب مدار کا معاون بنایا ہے جو اولیاء اللہ سے ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بقاء کا سبب بنایا ہے۔ اس کے وجود کی برکت سے بقائے عالم ہے اور فرمایا کہ اس وقت قطب مدار یمن میں ہے اور وہ شافعی فقہ کا قمع ہے اور ہم اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔“

حضرت مولانا یعقوب چرنی رحمۃ اللہ علیہ نے گو خضر کے متعلق عام روایات دہرا دی ہیں مگر انہیں قطب (قطب مدار یا غوث) کا مصاحب لکھا ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ ”بازار میں آکر چیزیں خریدتے ہیں پیچھے اور سودا کراتے ہیں۔ وہ منیٰ اور عرفات میں بھی آتے ہیں اور اچھی آواز کو پسند فرماتے ہیں۔ کلام اللہ کو سنتے اور سماع سننے جاتے

ہیں اور ان پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ وہ ایک رات یا اس سے زیادہ اس حالت میں رہتے ہیں۔ نیک لوگوں کو دیکھنے اور جمعہ پڑھنے جاتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔“ (۳۷)

اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے مشاغل بظاہر ایک عام صوفی کے سے ہیں اور اس کی بکثرت شہادتیں موجود ہیں کہ وہ مبتدیوں کے پاس آتے ہیں اور ان کو ذکر کے طریقے تلقین کرتے ہیں۔ نیز پیدائشی ولیوں کے نگران رہتے ہیں کہ ان کی تربیت صحیح طریق پر جاری رہے۔

اولیاء

ان کی تعداد چار بتائی گئی ہے۔ یہ قیام عالم اور امن و امان کی حفاظت کے لئے گویا میخوں کی مانند ہیں اور دنیا کے چاروں کونوں میں رہ کر توازن برقرار رکھتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے ان کے نام بھی بتا دیئے ہیں۔ ان کے یہ نام اللہ تعالیٰ کی بعض خاص صفات کے ظہور کی علامت ہیں۔ ان اوتاد میں مغربی افق والا ولی عبدالودود اور مشرقی افق والا عبدالرحمن نام رکھتا ہے شمالی افق والا عبدالقدوس اور جنوبی افق والا عبدالرحیم کہلاتا ہے۔

اخیر، نجباء، نقباء اور ابدال وغیرہ۔

ان مناصب کے اولیاء اللہ کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے، ”اخیر چالیس یا کئی سو ہیں اور یہ سیاحت میں رہتے ہیں۔ اس طرح تبلیغ و معلم کے ذریعہ خلقت کو فیض پہنچاتے ہیں۔ نقباء و نجباء کے کام کی نوعیت واضح نہیں ہے۔ ان کی تعداد کے بارے میں بھی کچھ یقین نہیں ہے۔ ایک قول کے مطابق نقباء کی تعداد تین سو ہے اور سب کا نام علی ہے اور نجباء کی تعداد ستر ہے اور نام حسن ہے۔“ (۳۸) ابدال کی اصطلاح عام ہے۔ اس کی جمع بدلاء ہے۔ ان کی تعداد ہر زمانے میں مختلف رہتی ہے۔ انہی میں سے دوسرے مناصب کے افراد چنے جاتے ہیں۔

یہ انتظامیہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا، باہوش لوگوں کی ہوتی ہے جو سر قدر کی معرفت رکھتے ہیں اور ایسی طبع سلیم رکھتے ہیں کہ اس کی بدولت مشیت کے حکم کے مطابق عمل پیرا رہتے ہیں۔ مجنوبوں کے سپرد بھی حلقے ہوتے ہیں جنہیں کو توالی کا فرض سونپا جاتا ہے۔ یہ گویا اس حکومت کی پولیس ہے، ان کے چوکس اور ہوشیار رہنے سے حلاوت سے بچاؤ رہتا ہے اور جرائم کم ہوتے ہیں اور ان کی ذرا سی غفلت سے حلوثے ہو جاتے ہیں اور جرائم بڑھتے ہیں۔ اسی پر ان کی ترقی اور تنزلی اور سزا کا دار و مدار ہوتا ہے۔ انہیں اپنے تئیں ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ البتہ جہاں حکم ہوتا ہے یا مجبوری ہو، وہاں ظاہر بھی ہو جاتے ہیں۔

اس فقیر کو ایک نیم مجنوب فقیر سے بھی تعلق خاطر ہے دیکھا گیا ہے کہ اس کی توجہ ہمیشہ عالمی سطح کے فلاحی اداروں اور مسیحی ملکوں کے امن کی صورت حل کی طرف رہتی ہے۔ لیکن انہیں روحانی نظام کی تفصیل کا علم نہیں ہے گویا انہیں صرف ایک کام دیا گیا ہے جو انہیں کرتا ہے اور باقی سے وہ بے خبر ہیں، اس طرح کے کئی مجنوب و نیم مجنوب کسی نہ کسی اہم یا غیر اہم کام پر لگے ہوئے ہیں اور وہ بھی مراتب میں مختلف ہیں۔ مثلاً مذکورہ نیم مجنوب بزرگ کے آثار دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اغلباً فردیت کے مقام پر فائز ہو گا۔

روحانی نظام خدمت

تعداد:-

ابدالوں کی کل تعداد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت سید علی بن عثمان الجویری رحمۃ اللہ علیہ (داتا گنج بخش) نے کشف المحجوب میں پہلے تو تمام اولیاء اللہ کا ذکر کیا ہے جو ایک دوسرے کو نہیں مانتے بلکہ خود کو بھی نہیں پہچانتے یعنی اول تو ذکر و فکر اور تلقین و درس میں اتنے محو ہوتے ہیں کہ ان کو یہ جاننے کی حاجت ہوتی ہے نہ فرصت اور دم، اگر جاننا چاہیں تو اپنی بصیرت سے ہی کسی کا مقام پہچان سکتے ہیں۔ ابدالوں کے گروہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بیان کیا ہے کہ یہ وہ اہل حل و عقد ہیں جو روحانی درجہ کا عمدیدار ہیں۔ ان کی تعداد انہوں نے یہ لکھی ہے۔ (۳۹)

اخیار: تین صد

اوتاد: چار

نقباء: تین

قطب: ایک

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں ایک حوالے

سے مندرجہ ذیل تعداد بتائی گئی ہے۔ (۴۰)

اخیار: تین صد

ابدال: چالیس

ابرار: سترہ

نجباء: پانچ

اوتلو: چار

نقباء: تین

قطب: ایک

احادیث میں تعداد کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان سب حوالوں کے مطالعہ سے نتیجہ ظاہر ہے کہ تعداد ہمیشہ ہر دور میں ایک سی نہیں رہتی۔ چنانچہ ہر صاحب وقت نے اپنے دور کی تعداد بیان کر دی ہے۔ پھر حالات کے مطابق نئی تقریروں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔
لَبْدُ لِي الْخَلْقِ مَا بَشَاءُ (فاطر: ۱) (پیدائش میں جو چاہے بڑھاتا ہے)
ابدالوں کی اس تنظیم کے افراد سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور انہیں اپنے امور میں ایک دوسرے کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔
ہر دور میں تنظیم:-

ہر دور میں انقلاب کے مراکز مختلف ہوتے ہیں اور غوث کے ایوان الصالحین کا مقام بھی مختلف ہوتا ہے۔ کبھی غار حرا ہوتا ہے اور کبھی روضۃ النبی کے ارد گرد کے کوئی جگہ۔ مگر یاد رہے کہ یہ کوئی ایسی مستقل بات نہیں ہے۔ ابدال اور ان کے انقلاب جہاں بھی رہیں، ان کے جلسہء باطنی کے سامنے کوئی امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ لہذا معلومات کے طور پر بھی ان مقامات کی کچھ اہمیت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان انقلاب کی آگے ہر ملک اور شہروں میں روحانی تنظیمیں موجود ہیں جن کے اپنے ابدال اور اوتلو وغیرہ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ عام آدمی کو تو پتہ نہیں چلتا ورنہ گلوں میں اور شہروں کے ہر محلے میں کوئی نہ کوئی ایسا پراسرار آدمی ضرور ہوتا ہے جو روحانی نور پر لوگوں کے امور میں دخیل ہوتا ہے۔ صرف اس قدر فرق پڑتا ہے کہ جہاں بادی کم ہو وہاں حلقہ ذرا وسیع ہو جاتا ہے۔

س دور کا غوث:-

ایک بزرگ نے بتایا کہ اس دور کا قطب الاقطاب یا غوث مدینہ میں رہتا ہے وہ عرب نہیں ہے بلکہ ایشیا کے دوسرے اسلامی ممالک میں سے کسی ملک کا رہنے والا ہے، شاید افغان ہے۔

چشتیہ طریقہ کے نگران اولیاء اللہ:-

جس خطہ میں ہم رہتے ہیں جو مشمولہ ہندوستان و پاکستان، ایران سے اس کمار کی تک پھیلا ہے۔ اس خطہ کی نگرانی چشتیہ سلسلہ کے ولیوں کے سپرد ہے اور اس کے انتظام و انصرام کے وارث ہوتے ہیں۔ سیدی محمد درایت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہندوستان کی ولایت بعد از وصل بھی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہے اور آپ کی شان جمالی ہے۔ دوسرے خطوں میں دیگر سلاسل کے اولیاء ابدال بننے ہیں مثلاً عربستان و افریقہ میں قلوری اور شعلی طریقوں کے ولیوں کو خدمت سپرد کی گئی ہے۔

حکمرانوں کے گرد اہل خدمات:-

اہل خدمات یا زمرہ ابدال کے افراد مختلف صورتوں اور مختلف حیثیتوں میں حکومت کے کلیدی حکموں میں بھی موجود رہتے ہیں۔ خواہ ظاہر میں ان کے پاس کوئی بڑا عہدہ ہو یا نہ ہو۔ مگر وہ قریب ضرور ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ جہاں تک ہو سکے، اپنی روحانی توجہ سے کاموں کو صحیح رخ پر چلانے میں مئید ہوتے ہیں۔ سیدی حضرت محمد درایت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حکمرانوں کے سپرد چونکہ بہت بڑا کام ہوتا ہے اس لئے اہل خدمات میں سے ان کے محافظ اور دعاگو بھی ہوتے ہیں۔ (۴۱) وہ حکمران خوش قسمت ہے جو ان کی طرف سے القاء یا کسی بھی طرح کی ہدایت پر متوجہ ہوتا ہے اور ان کی بصیرت سے مستفیض ہوتا ہے۔ بحران کے زمانے میں وہ ان میں سے بعض حکمرانوں کے سامنے اپنے تئیں کھل کر پیش کرتے ہیں اور مشورے دیتے ہیں مگر حکمرانوں کو شیطان اس طرح فریب دیتا ہے۔ چونکہ حکمران کو کئی جھوٹے سچ

مشورے ہر طرف سے مل رہے ہوتے ہیں، اس لئے وہ پچارہ حیرانی میں صبح آدمی کو پہچان نہیں پاتا یا اس کے مشوروں کو اپنی عقل سے سمجھ نہیں پاتا لہذا وہ بھی نقصان اٹھاتا ہے اور قوم بھی خسارے میں رہتی ہے۔ پاکستان کے ایک سابق حکمران نے جب اس جنت سے آنے والے مشوروں کو درخور اعتناء نہ سمجھا تو روحانین کے دفتر میں ”خروماغ“ لکھا گیا اور حکومت سے بے دخل ہوا۔ بہر صورت ایسے شواہد موجود ہیں کہ پاکستان میں ہی پچھلے سالوں میں حکمرانوں کو اس طبقے کے لوگ ملے ضرور رہے مگر وہی ہوتا رہا جو علم الہی میں طے تھا۔ وَكَانَ أَمْرًا لِلَّهِ مَفْعُولًا الاحزاب: ۳۷ (امر الہی تو ایسے ہوتا ہے جیسے وہ ہو گیا)

جب کسی ملک کی حکومت بدلتی ہے تو اس کے پیچھے ابدالوں کا ہاتھ ہوتا ہے اس کے متعلق باقاعدہ فیصلہ ہوتا ہے اور ہمیشہ ان کا فیصلہ اور مشیت الہی ایک دوسرے کے موافق ہوتے ہیں جس طرح سے وہ حالات کو بھانپتے اور جانچتے ہیں، ظاہر بین لوگ اپنے قیاسات سے ایسا نہیں کر سکتے۔ ان کے سامنے جزوی واقعات پر مشتمل ہنگامی تاریخ نہیں ہوتی۔ وہ تو تقدیر کی کلیت کو دیکھ کر امور عالم کو چلا رہے ہوتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک جزا و سزا اور تقدیر کے نفاذ کی حکمت اکثر ظاہری علم و قانون سے مختلف ہوتی ہے لیکن وہ جن کا عقلی وجدان بیدار ہو، ان کی حکمت کو جانتے اور اس کی تائید کرتے ہیں۔

ایوان الصالحین یا روحانی دربار۔

یوں تو ابدال اولیاء اللہ سال میں مختلف مقامات پر جمع ہوتے ہیں۔ ان کی دوسرے ولیوں سے ملاقات بھی ہوتی ہے لیکن ہر روز بھی غوث کا دربار لگتا ہے جس میں غوث صدر نشین ہوتا ہے اور اقطاب عالم اس کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ اونچے درجے کے روحانین سب اس جگہ موجود ہوتے ہیں۔ اس موقع پر امت کے تمام مسائل پر فیصلہ ہوتا ہے۔ اہل حل و عقد اولیاء اللہ کے علاوہ مقتدر جنت کو بھی شریک کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض امور ان سے متعلق ہوتے ہیں۔ سید عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کے زمانہ میں یہ دربار صبح کے وقت غار حرا کے باہر منعقد ہوتا تھا اور تمام اطراف جہاں کے اقطاب وہاں طے الارض کی قوت سے پہنچ کر اس میں شریک ہوتے تھے لیکن یہ مقام تبدیل بھی ہوتا رہتا ہے۔ ان کے زمانے میں دربار غار حرا کے پاس لگتا تھا مگر کہا جاتا ہے، آج اس کی جگہ اور ہے۔ تاہم ایوان الصالحین کا جو نقشہ غوث الزمان حضرت سید عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کھینچا ہے اس کی صورت اب بھی وہی ہو گی۔ وہ فرماتے ہیں:

رات کے تیسرے حصے میں روحانین کی یہ مجلس منعقد ہوتی ہے یہی وہ ساعت اجابت ہے جس کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔ غوث اس طرح بیٹھتا ہے کہ چار قطب اس کے دائیں طرف ہوتے ہیں اور تین دوسری طرف، وکیل غوث کے سامنے ہوتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں تو غوث وکیل کی جگہ پر آ جاتا ہے اور وکیل پچھلی صفوں میں لوٹ جاتا ہے۔ وکیل کے پیچھے چھ صفیں ہوتی ہیں جن کا حلقہ چوتھے قطب سے شروع ہو کر اس قطب پر ختم ہوتا ہے جو تین قطبوں کے بائیں جانب ہے۔ چنانچہ یہ سات قطب حلقہ کی ایک طرف کا کام دیتے ہیں۔ اسی طرح صفیں بن جاتی ہیں۔ کچھ عورتیں بھی اس دیوان میں حاضر ہوتی ہیں مگر ان کی تعداد کم ہوتی ہے اور ان کی تین صفیں بائیں جانب کے اقطاب ثلاثہ کی جانب اور صف اول کے دائرہ سے اوپر غوث اور اقطاب ثلاثہ کے درمیان خلل جگہ میں ہوتی ہے۔ گزشتہ لوگوں میں سے بعض کاملین بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں مگر زندہ لوگوں کے معاملات میں ان سے مشورہ نہیں کیا جاتا۔ دیوان میں فرشتے بھی حاضر ہوتے ہیں مگر وہ صفوں کے پیچھے ہوتے ہیں اور کاملین جنت بھی آتے ہیں اور وہ سب کے پیچھے بیٹھتے ہیں لیکن ان کی پوری ایک صف بھی نہیں ہوتی۔ یہ صاحب تصرف اولیاء کی امداد کے لئے موجود ہوتے ہیں بلکہ ہر شہر میں اولیاء اللہ کی امداد کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ شب قدر کو انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں۔

اس دیوان میں ہر قسم کے محاملات طے ہو جاتے ہیں اور وہی ہوتا ہے جو وہیں
تقاضا الہی قرار پایا ہو۔ مجاہد کا اس دیوان میں دخل نہیں ہوتا۔



ایک اور بات حضرت سید عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی کہ
چھوٹے ولی دیوان میں اپنی ذات سے حاضر ہوا کرتے ہیں مگر بڑے ولی پر کوئی پابندی
نہیں۔ مطلب یہ کہ جب چھوٹا ولی دیوان میں آتا ہے تو اپنی جگہ اور گھر سے غائب ہو
جاتا ہے اور وہ اپنے شہر میں موجود نہ ملے گا۔ مگر بڑا ولی مکمل روح کی وجہ سے تین سو
چھیانوے مختلف صورتیں اختیار کر سکتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے گھر سے غائب نہیں ہوتا
اور دیوان میں بھی حاضر ہوتا ہے۔ (۳۲)

اس بیان کی تائید ”تذکرہ حضرت سید صاحب بانسوی“ سے بھی ہوتی ہے۔
حضرت سید عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے غوث تھے۔ ان کے ایک
عالم مرید ملا مکمل الدین نے ان سے ایک بار پوچھ لیا کہ آپ مراتب اولیاء اللہ میں کس
مرتبے پر فائز ہیں۔ حضرت نے فرمایا: ”فقیر عاجز ہے۔ اتنا معلوم ہے کہ ایک رفیع اور
خوبصورت جگہ جہاں گروہ اولیاء از قسم افراد غوث، غوث الغوث، قطب الاقطاب،
ابدال، اوتو سب حاضر ہوتے ہیں ان میں سے ایک صدر نشین اور کل جہاں کا کارفرما
ہوتا ہے مجھے اسکی بائیں جانب بٹھاتے ہیں۔“

کچھ عرصہ کے بعد ملا مکمل نے پوچھا: سرکار اب بھی بائیں جانب بیٹھتے ہیں یا اب
جگہ تبدیل ہو گئی ہے۔

فرمایا: مسند نشین کا انتقال ہو گیا، وہ صاحب جو اسکے داہنے ہاتھ بیٹھتے تھے اب
مسند نشین ہو گئے ہیں اور میں جو بائیں طرف بیٹھتا تھا، اب داہنے ہاتھ بیٹھتا ہوں، گروہ
اولیاء میں سے ایک شخص کو میری جگہ ملی ہے۔

کچھ مدت گزرنے پر ملا مکمل نے عرض کیا: اب بھی داہنے ہی طرف تشریف فرما
رہتے ہیں یا نوعیت کچھ بدل گئی ہے؟

فرمایا: اس عاجز کو اللہ کے کرم اور اسکی اجازت سے اولیاء اللہ نے ہلافت مسند
پر بٹھا دیا ہے۔

ملا مکمل الدین کو بے حد خوشی ہوئی اور عرض کیا: الحمد للہ۔ (۳۳)

ابدالوں سے تعلق پیدا کرنے کا طریقہ

جب کسی کو یہ یقین ہو جائے کہ واقعی ابدال ظاہری امور میں دخل انداز ہوتے ہیں، وہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اور ان کے توسط سے کار بر آری کی کئی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو بعداً اس طرف میلان ہوتا ہے کہ ان سے تعلق پیدا کیا جائے یا ان سے ملاقات کی جائے۔

پہچتر ازیں یہ بات کئی بار دہرائی جا چکی ہے کہ ابدال اولیاء اللہ کا وہ طبقہ ہے جو اپنے تئیں پوشیدہ رکھتا ہے کیونکہ وہ اپنی باطنی توجہ جب ہی مجتمع رکھ سکتے ہیں اور اس سے کام لے سکتے ہیں کہ عزالت میں رہیں۔ ان کی قوت مکاشفہ بہت قوی ہوتی ہے اس لئے یہ لوگوں کے رجحانات و میلانات بھی جان لیتے ہیں۔ چنانچہ ان سے ملنا بھی آسان نہیں۔ یہ ہر ایک سے ملتے ہیں نہ ہر ایک پر اپنے تئیں ظاہر کرتے ہیں۔

روحانی طور پر بزرگوں نے کچھ صورتیں ان کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے بیان کی ہیں، ان سے فائدہ اٹھایا جائے تو ابدالوں سے ایک گونہ غائبانہ تعارف ہو جاتا ہے۔

ابدال چونکہ اپنے اپنے حلقوں میں ایک لحاظ سے روحانی طاقت کے امین ہوتے ہیں اس لئے جہاں کہیں وہ اس قوت کا ذخیرہ دیکھتے ہیں، اس سے اپنے کاموں میں وہ مدد لیتے ہیں۔ یہ قوت کا ذخیرہ انہیں اس قلب میں ملتا ہے جو ذکر الہی میں مشغول ہو۔ ذکر الہی کی خصوصیت تو یہ ہے کہ فرشتے ذکر کرنے والے کے گرد جھرمٹ کر لیتے ہیں، ارواح مقدسہ حاضر ہوتی ہیں اور یہی حال ابدالوں کا ہے۔ وہ اپنی روحانیت کو ذاکر کے

قلب کے سامنے کر دیتے ہیں خواہ وہ اس مجلس میں بذات خود موجود ہوں یا نہیں۔ وہ ماحول پر اس ذکر کے اثرات و ثمرات کو اپنے باطن کی معیت میں لے لیتے ہیں اور اس شخص کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اگر چاہیں تو شروع میں مکاشفہ کے ذریعہ شناسائی کا موقع بہم پہنچاتے ہیں اور پھر کسی وقت مناسب سمجھیں تو سامنے بھی آ جاتے ہیں۔

چونکہ ابدالوں کا کام انفرادی اور اجتماعی سطح پر عامہ خلائق کی بہبود سے وابستہ ہے اور خاص طور پر امت محمدیہ کی فلاح ان کا مقصد ہے اس لئے وہ امت کے لئے دعا کرنے والے سے انس پیدا کر لیتے ہیں اور اس سے مسور رہتے ہیں۔ خاص طور پر جو شخص یہ دعا کرتا ہے اس کو وہ اپنے کام میں شریک سمجھتے ہیں۔ اسی لئے روایت میں کہا گیا ہے کہ یہ دعا کرنے والا ابدالوں کے درجے میں لکھا جاتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِمَنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَللّٰهُمَّ وَاَحْمِ لِمَنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَللّٰهُمَّ اقْصِرْ لِمَنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِمَنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَللّٰهُمَّ اصْلِحْ لِمَنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَللّٰهُمَّ لَوْجْ لِمَنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَللّٰهُمَّ كَرِّمْ لِمَنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَللّٰهُمَّ عَظِّمْ لِمَنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَللّٰهُمَّ تَجَلَّوْزْ لِمَنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۴۴)

اے اللہ اُمّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دے۔

اے اللہ اُمّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم کر۔

اے اللہ اُمّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کر۔

اے اللہ اُمّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح عطا کر۔

اے اللہ اُمّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کر۔

اے اللہ اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکلات کھول دے۔

اے اللہ اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کرم کر۔

اے اللہ اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بزرگی دے۔

اے اللہ اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے درگزر فرما۔

حدیث میں روایت ہے کہ اس دعا پر فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ اس دعا کو جس قدر کثرت سے پڑھا جائے گا، اہل خدمات اولیاء اللہ یا ابدالوں سے اتنا ہی زیادہ تعلق پیدا ہو گا۔ ابدالوں سے تعلق پیدا کرنے کے لئے اس سے زیادہ مفید اور کوئی کلام نہیں۔

اسی طرح ایک اور دعا ہے جس کو پڑھنے والے ابدالوں کی ”آمین“ کو شامل حل کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الاکبر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے کہ انہوں نے یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی۔

اَسْلَامٌ عَلَيْكُمْ يَا رَجُلَ الْغَيْبِ وَ اِرْوَا حَ الْمَقْلَسَةِ الْفُتُونِي بِفُوتِهِ وَ
اَنْظُرْنِي بِنَظْرَةِ يَا رُقْبَاءُ يَا نَجْبَاءُ يَا لَبَلُ يَا لَوْلَا يَا غُوثُ يَا قُطْبُ
اَلْفُتُونِي بِهَذَا الْاَثَرِ سَلِّكُمْ اللهُ لِي لِقَائِهِ وَ لِقَائِنَا وَ لِاَجَرَةِ بِحَقِّ
سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَ اصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا وَحَمَ
الرَّاحِمِينَ۔

(اے رَجُلِ غَیْب! اور اِرْوَا حِ مُقَدَّس! تم پر سلامتی ہو۔ میرے لئے دعا کیجئے اور مجھ پر نظر کرم کیجئے۔ اے رُقْبَاءُ، اے نَجْبَاءُ، اے لَبَلُ، اے لَوْلَا، اے غُوثُ، اے قُطْبُ، اس کام میں میرے لئے دعا کیجئے۔ اللہ ہمارے سردار اور آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل اور اولاد اور آپ کے تمام صحابہ کے وسیلے آپ کو دین، دنیا اور آخرت میں سلامت رکھے۔ اے ارحم الراحمین تیری رحمت پر ہی بھروسہ ہے)

اس مخاطب میں بھی چونکہ ایک تعلق و تعارف ہے اس لئے ایسی دعا میں جس

کے پہلے یہ کلام پڑھا جائے، ایک خاص طاقت اس طرح پیدا ہو جاتی ہے کہ روحانیین اپنی باطنی توجہ کے ذریعہ اس کی تائید کرتے ہیں اور اس کو در استجابت تک لے جاتے ہیں۔ اہل سلوک عام طور پر ہر ورد سے پہلے یہ دعا پڑھتے ہیں اور اس کے فوائد کے گواہ ہیں۔

بعض لوگوں کو جو ان معاملات میں فہم نہیں رکھتے شاید رَجُلِ غَیْب کے ساتھ اس مخاطب پر اعتراض ہو تو انہیں وہ حدیث یاد رکھنی چاہئے جس میں کہا گیا ہے کہ جب تمہارا کوئی جانور گرم ہو جائے تو پکار کر کہو:

يَا عِبَادَ اللهِ اعْنُونِي

(اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو)

”عَبَلُو“ سے مراد بزرگوں نے رَجُلِ غَیْب لئے ہیں یعنی اَلَا بُهْلًا اَوْ مَلًا نَكْهًا اَوَ اَلْمُسْلِمُونَ مِنَ الْاُجَنَّا ت (ابدال یا فرشتے یا مسلمان جنت) اور یہ شرک اس لئے نہیں کہ اس سے استعانت کلی مراد نہیں بلکہ استعانت جزئی مراد ہے۔ حدیث کے ثقہ ہونے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ اسے ”صحن حصین“ میں نقل کیا گیا ہے جس میں مصنف یا مرتب نے صحیح احادیث کا خیال رکھا ہے۔

انتباہ۔

یہ بات ہمیشہ دھیان میں رکھنی چاہئے کہ طبقہ ابدال کے یہ افراد اللہ کے بندے ہیں جن کو اس نے اپنی رحمت کو عام کرنے اور مشیت کی تعمیل کرنے کے لئے جن لیا ہے اور انہیں اپنے بندوں کی کار بر آری پر لگا دیا ہے۔ اس کے لئے ان کو خاص قوتیں عطا کی ہیں مگر اس کے باوجود وہ خود مشیت کے صرف آلہ کار ہی ہیں۔ انہیں اختیار ہے تو اس قدر ہے کہ اللہ کی رضا ان کی رضا کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے اور پھر وہ پابند امر الہی ہیں تو اس حد تک کہ اس کے حکم کے سامنے محض عاجز اور بے دست و پا ہیں۔ خواجہ نظام الدین والحق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بلاشہ کا واقعہ بیان کیا جو صاحب کشف تھا۔ ایک دن یہ بلاشہ مکان کے در پیچ میں بیٹھا تھا، ملکہ بھی اس کے پاس ہی

بیٹھی تھی کہ اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر ایک دوبار دیکھا پھر بیوی پر نظر ڈالی اور رو دیا۔ بیوی نے وجہ پوچھی تو ہل گیا مگر جب ملکہ نے اصرار کیا تو اس نے کہا۔ میری نظر لوح محفوظ پر پڑی تو دیکھا کہ میرا نام زندہ لوگوں کی فہرست سے نکل دیا گیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ میری جگہ ان اطراف کا ایک حبشی لے گا اور تو اس کے نکاح میں آئے گی۔ ملکہ نے سنا تو کہا۔ اب کیا کرو گے؟ بلوشہ نے کہا۔ ”میں کیا کر سکتا ہوں۔ جو بھی اللہ نے فیصلہ کیا ہے، وہی ہو گا۔ میں اس کے فیصلے پر راضی ہوں۔“ اسی وقت بلوشہ نے اس حبشی کو طلب کیا اور اسے ایک مہم پر بھیج دیا، وہ کلمیاب ہو کر لوٹا۔ بہت سا مال غنیمت ساتھ لایا تھا، وہ لوگوں میں لٹاتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔ دوسرے دن بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ لوگ اس کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے اس حبشی کو بلوشہ چن لیا اور بادشاہ کی بیوی نے بھی اس سے نکاح کر لیا۔ (۴۵)

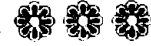
جبر و رضا کی ان دو انتہاؤں کو وہی سمجھ سکتے ہیں جنہیں اللہ کی طرف سے علم و معرفت کا نور کسی قدر حاصل ہو چکا ہے۔ اللہ کے کئی اور ایسے ولی ہیں جو ان سے بڑھ کر روحانی مقامات کے مالک ہیں۔ ابدال تو ملائکہ سفیلہ (دنیا میں کام کرنے والے فرشتے) کے مثیل ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا ملین امت کا تعلق ملاء اعلیٰ سے رہتا ہے اور وہیں سے ان پر اسرار کے انوار وارد ہوتے ہیں۔ یہ بزرگ کہیں بھی پائے جاسکتے ہیں۔ خانقاہ میں رہتے ہوں یا کسی مقام کے پابند نہ ہوں، وہ ہمیشہ صاحب ارشاد بن کر خلقت کو فیض پہنچاتے ہیں۔ اگر کوئی درویش سلوک کے مقلد ملے کرنے کے لئے کسی مرشد کی تلاش میں ہو تو پھر اسے زمرۂ ابدال سے باہر کسی بزرگ ولی کو تلاش کرنا چاہئے۔ ابدال تو زیادہ سے زیادہ معاون ہو سکتے ہیں مگر سلوک و تصوف کی تعلیم کے لئے اللہ کے دوسرے بندے موجود ہوتے ہیں ان کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ البتہ ابدال سے ملنے کا شوق اس حد تک تو ضرور مستحسن ہے جیسے ہم دوسرے تمام اولیاء اللہ اور علماء کرام سے ملنا نیک عمل سمجھتے ہیں مگر اس طرح ان سے ملنے کی خواہش کے درپے ہو جانا کہ ذکر و فکر اور عبادت کے بعض ارکان میں فرق آنے لگے، یقیناً گھائلے

کی بات ہے اور ہو سکتا ہے کہ موسوں اور نیک و بد کلام کے عاملوں کی طرح کوئی ان سے ملنے میں بھی ایسا ہی اسماک اختیار کرے تو اسے جان لینا چاہئے کہ وہ راہ راست سے ہٹ رہا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے اختیارات کے متعلق اپنے فہم کی وجہ سے ایک مہوم توقع ایسی رکھتا ہو کہ اس میں شرک کا شبہ آ جائے تو اس کے لئے بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توحید کے معاملے میں بہت غیور ہے۔ اس سے خیران کا اندیشہ ہے۔ اِنَّ الشُّوْكَ لَطَلَمٌ عَظِيْمٌ لَقُلْنَ: ۳۰ (بلاشبہ شرک بڑی ہی ناانصافی ہے)

جیسا کہ عرض کیا گیا، ابدال سے ملنے کا میلان اچھی بات ہے۔ اگر ملاقات ہو جائے تو نفع ہی نفع ہے۔ مگر چونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو صرف اسی پر ظاہر کرتے ہیں جسے وہ قابل اعتبار یا اہل سمجھیں، اور ضروری نہیں کہ ہر ایک جو ان سے ملاقات کا خواہش مند ہو، اس کا اہل بھی ہو۔ اس لئے شب و روز اسی خیال میں غرق نہیں رہنا چاہئے۔ ہاں ذکر الہی اور دعا و سلام کے ذریعہ ان کے انس کو جذب کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ طریق ہر خطرے سے محفوظ ہے اور مفید ہے۔

بلاشبہ ان دلیوں سے مناسبات کی دلیل ہے۔ یہ ملیں تو ان سے ان کے معاملات کی کرید نہیں کرنا چاہئے۔ بس دعا کی درخواست کافی ہے اور اس پر اصرار کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بزرگ بھی کچھ حدود و قیود رکھتے ہیں اور قاعدے قانون کے پابند ہیں۔ اگر وہ دعا کر دیں تو اس کی استجاب کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہئے۔ یہ تو دنیاوی امور کی بات ہے جن میں دخل اندازی کے یہ مجاز ہوتے ہیں مگر اہل سلوک کے گروہ میں مبتدیوں اور متوسلین کو بھی ان سے خاص مدد ملتی ہے۔ بسا اوقات یہ خود اپنے تئیں خود کو اس امر پر مامور پاتے ہیں مثلاً ”اذا کی تلقین کرتے ہیں یا بہت افزائی کرتے ہیں۔ جہاں تک فتنی اور صاحب ارشاد حضرات کا معاملہ ہے تو وہ عام طور پر ان سے مستغنی ہوتے ہیں۔ البتہ ابدال ان کی معلومت کے لئے ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کا کام روحانی علوم کی اشاعت ہے اور یہی ورثہ

انبیاء ہے۔ ابدال ان کے کام میں بطیب خاطر معین و معلون ہوتے ہیں۔ بقی حقیقت تو یہی ہے کہ یہ سب وسائل و وسائط ہیں۔ اصل کار کشاء و کار ساز تو اللہ ہی ہے۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰہ (آل عمران- ۱۵۴) (اے نبی کہہ دے کہ سارا کام اللہ کے ہاتھ میں ہے)



ترجی
بسم اللہ الرحمن الرحیم
ایک خط اور اعتراضات

۲۶ مئی ۸۴ء

السلام علیکم!

”حقیقت ابدال“ میں نے آہستہ آہستہ ساری دیکھ لی ہے..... گویا میں نے اسے بغور پڑھا ہے۔ میں ایک بات نہایت سنجیدگی سے عرض کرتا ہوں اور اس میں میرے اور تمہارے قدیم مذاق کو کچھ بھی دخل نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم روح کی سنجیدگی کے ساتھ ایک خاص حلقہ کے رکن بن چکے ہو اور عرض دعا کے لئے تمہاری ایک مختلف لفت ہے جو شاید تمہیں بارہ پندرہ برسوں کی اپنی قسم کی منت کے صلے میں ملی ہے۔ میں واقعی اس اظہار اور اس لفت کے لئے اپنے آپ کو اجنبی پاتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے کم فنی کا اعتراف کرنا چاہئے۔ میں ”حقیقت ابدال“ کا ایک لفظ بھی شاید سمجھ نہیں پایا۔ یا تو ابدائیت کا وصف نبوت کے معروف ترین ادارے کی سرے سے عطا ہی نہیں ہے اور کوئی سیکولری چیز ہے جو دنیا بھر میں ادارہ نبوت کے سائے سے بے نیاز کوئی مشترک سی چیز ہے یا پھر ادارہ مذہب کا جو مفہوم میرے ذہن میں مرتب ہوتا ہے وہ سارے کا سارا غلط ہے اور ادارہ نبوت ہی کوئی کم حیثیت انسانی معاشرتی قدر ہے۔ کوئی بات تو ضرور ہے جو حقیقت ابدال کا مفہوم مجھ پر واضح کرنے سے قاصر ہے اور میں شرمندگی محسوس کر رہا ہوں کہ آخر یہ بات جو تم نے کہی ہے اور سلسلہ وار کہے جا رہے ہو۔ میری سمجھ سے کیوں بالا ہے؟

دوسری بات تمہارا پیرایہ اظہار ہے۔ میں حد درجہ دوستانہ احتیاط کے باوجود اپنی طبیعت سے مجبور ہوں اور کہتا ہوں کہ روحانیت کے اظہار کے لب و لہجے بھی اب تو اردو زبان میں بھی بہت آگے نکل آئے ہیں مگر تمہارا اسلوب ایک صدی سے تو کیا ہی کم پڑا ہوا ہو گا۔ اس کی شاید ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آدمی کتاب پڑانی کتابوں

نہیں ہیں اگر ہیں بھی تو شاید فردیت کی مثالیں ہیں اور یہ مثالیں بھی مجھے تو یوں لگتا ہے (تمہاری بحث سے) کہ اسلام کی محتاج نہیں ہیں۔ عبدالقادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) سے ایک شخص کی موٹھیں درست کرانے کا واقعہ لکھ کر تم نے محض برائے وزن بیعت کام کیا ہے یا یہ کہ قسطنطینہ کے عیسائی کو خواہ مخواہ مشرف بہ اسلام کرایا ہے ورنہ بات کا تھوٹا پن تو پوری کمائی سے عیاں ہے۔

تم نے ایک طرح سے اپنی کتاب کی بنیاد سورہ کف کی چند آیات پر رکھی ہے۔ حیرت ہے کہ یہی سورت ۲۶ آیت میں یہ بھی کہتی ہے کہ "وَلَا يَشْرِكْ لِيْ حُكْمٌ اَحَدًا" (وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا)۔ اس آیت کی روشنی میں بعد کی آیات کی وہ تفسیر میرا خیال ہے کہ کرنا ہی زیادتی ہے جس پر تم اپنی عمارت کو کھڑا کرتے ہو۔ ویسے ایک بات ذہن میں آتی ہے کہ جس ڈھب میں تم نے بات کو آگے چلایا ہے اور ابدال عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے تو اسی ڈھب میں آل عمران میں مریم (رحمۃ اللہ علیہا) کا واقعہ بھی اس ذیل میں فٹ ہو سکتا ہے کہ وہ نبی نہ تھیں اور جب ذکر کیا (علیہ السلام) اس کے کمرے میں جاتے تو وہاں انواع و اقسام کا رزق دیکھتے اور تعجب سے پوچھتے کہ اِنَّ لَكَ هُنَا (یہ سب تیرے پاس کہاں سے آتا ہے؟) تمہارے انداز میں سوچوں تو اسلام سے پہلے وہ بھی ابدال خاتون قرار پاتی ہیں۔ میں تو خیر اس بات کو بالکل دوسرے انداز میں سوچتا ہوں۔

اچھا رکھو، یہ ٹٹ نہیں ہے، میری درخواست ہے، اہل خدمات تک تمہاری رسائی ہے (کوئی ہوں گے) کیا میرے لئے، اپنے ایک پرانے دوست کے لئے ان سے دعا کی درخواست کر سکتے ہو، میں تمہیں اس بات کے لئے مجبور نہیں کرتا مگر مجھے کوئی نتیجہ دیکھنے دو۔ بہر حال ابدالوں کی ابدالیت پر ایمان لانا میرے اور ہمارے ایمان کا حصہ تو نہیں ہے مگر میں اس ادارے سے شناسائی تو حاصل کروں۔

والسلام

خاکسار.....

کے حوالوں سے مرصع ہے اور تم مجبور تھے کہ انہی کے لب و لہجہ اور اسالیب کے حصار سے باہر آ ہی نہ سکو۔ لیکن اس کا نقصان یہ ہوا کہ تم اسالیب نو کے شناساؤں تک اپنی بات پہنچا دینے سے قاصر رہے۔ اس سے تمہارے فلسفہ زندگی کے اظہار کی نارسائی کا پہلو خواہ مخواہ سامنے آ جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم تو تم اگر واقعی ہمارے آس پاس، ہمارے نواح میں کوئی ابدال، قطب، غوث قسم کی ہستیاں موجود ہیں تو انہیں بھی اب اپنے پیرایہ ہائے اظہار بدل لینا چاہئیں۔ معاشرے کے لئے زبان کی کلیدی اہمیت جب میں سوچتا ہوں تو آخر یہ لوگ جن کا تذکرہ تم کرتے ہو، ان کا بھی آخری تعلق تو معاشرے سے اور معاشرے کے لئے بھی قرار پانا چاہئے۔ مگر قدیم لہجہ ان کا تعلق آج کے معاشرے سے قائم کرنے میں روک بنتا ہے اور اگر وہ نہیں بلکہ ان کا یہ کام محض حصول خیر کی خاطر تم نے اپنے سر لیا ہے تو تم ناکام رہے ہو۔ میں اپنی اس رائے کے اظہار پر معذرت کرتا ہوں مگر میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی رائے اخلاص اور دیانت داری سے تمہارے سامنے رکھی ہے۔

یہ بات یقیناً تمہارے فہم کا حصہ ہونی چاہئے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے بعد اور پھر اس جہان سے گذر جانے کے بعد خدا کی فشاء بھی تھی کہ نبوت جیسا عظیم ادارہ بھی اپنے انجام کو پہنچ جائے کہ انسانی تہذیب کی ترقی کا یہ انداز اب ختم ہوا۔ اس باب میں خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) روحانیت کی آخری انتہاؤں کو پہنچ گئے۔ معجزات اور خوارق کا عہد تمام ہوا۔ اسلام کے ساتھ انسان کی تاریخ ایک نیا ورق پلٹتی ہے اور ایک نئی کرۂ لیتی ہے جس کا ڈھب ہی دوسرا ہے۔ اس میں ابدال اور غوث اور قطب کا کیا مقام اور کیا حیثیت اور ان چیزوں کا کیا صلہ؟ ممکن ہے یہ ادارے اور یہ باتیں پہلے آدم (علیہ السلام) سے دوسرے آدم (محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیانی عرصے کی چیزیں تو ہوں مگر آدم ثانی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد تو انسان کے ذہنی ارتقاء کی صورت ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ اسکی گواہی انسان کی تاریخ دے رہی ہے۔ ابدال اور اقطاب تو انسان کی تاریخ کا کوئی حصہ ہی

ایک پرانے اور کرم فرما دوست کا یہ خط ہے، جو کتاب کا پہلا حصہ (اور پہلا ایڈیشن) چھپنے کے بعد موصول ہوا۔ خط کے بعض حصوں کی مندرجات کو ہو بہو نقل کر دیا گیا ہے کیونکہ ایک تو خط کے کاتب کو مصنف سے ایک گونہ تعلق خاطر رہا ہے اور دوسرے یہ صاحب اس طبقے کے ایک فرد سمجھے جاسکتے ہیں جو اپنے تئیں اسلام کا خرمند اور روشن دماغ گروہ خیال کرتا ہے۔ اس خرمندی کے زیر اثر تصوف کے متعلق اس کا نظریہ اگر معاندانہ نہیں تو کم از کم متعصبانہ ضرور ہے۔ یہ تعصب ضروری نہیں کہ جمالت پر مبنی ہو، اپنے طور پر انہوں نے اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس طرح سمجھا اور قرآن مجید کو جس انداز سے پڑھا تو اس کے نتیجے میں اسلام کے اندر وقتاً فوقتاً دینی و روحانی علوم کی کھلنے والی تہوں اور گوناگوں مذہبی و نیم مذہبی تحریکوں کے بارے میں نظریات مختلف ہو گئے۔ ایک بات واضح ہے کہ تصوف کو انہوں نے بہر حال اسلام سے باہر کی کوئی چیز سمجھ لیا اور حالانکہ اس کا کشف و ظہور خود بطن اسلام کا ہی مرہون منت تھا اور پھر اسی خیال کے تحت اسکے اندر جو چیزیں ان کو اپنے فہم و ادراک سے باہر نظر آئیں، ان کو دین و مذہب سے بیرون تصور کر کے یہ حضرات مطمئن ہو گئے۔

اب ظاہر ہے اگر یہ لوگ عادت و اطمینان کے خول سے باہر آکر واقعی تصوف کو سمجھنے کا شوق رکھتے ہیں تو پہلے ایسے حضرات کو تصوف کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم کرنی چاہئے تاکہ پھر وہ تصوف کے دوسرے فروعی یا اندرونی معاملات کے بارے میں صحیح طور پر کچھ سمجھ سکیں۔ ورنہ جو شخص اصل کو ہی نہیں مانتا، فروعیات کو کیسے مان سکتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی بے دین اگر دین کو ہی نہیں مانتا تو شریعت اور دوسرے دینی علوم کو وہ کیسے صحیح طور پر سمجھ پائے گا اور اگر اپنے زعم میں کچھ سمجھ بھی لے گا تو غلط ہی سمجھے گا۔

تصوف اسلامی علوم میں سے ایک علم ہے بلکہ اسلام کا ہی داخلی و باطنی پہلو ہے جو اسلام سے الگ نہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ پرانے

زمانے میں طالب علم اسلامی جامعات سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے اساتذہ کی ہدایات کے تحت اس سے ضرور شناسائی حاصل کرتے تھے۔ یعنی وہ اسے اپنی تعلیمی تکمیل کے لئے ایک برتر علم و حکمت سمجھتے ہوئے اس کا مطالعہ اپنے پر لازم گردانتے تھے۔ وہ تصوف سے آگاہی کے لئے کتابیں پڑھتے تھے حتیٰ کہ صوفیاء کے خیالات و جذبات سے فیض یاب ہونے کے لئے سفر کرتے تھے۔ ان میں سے بعض تو پورے کے پورے صوفیاء کے حلقوں میں شامل ہو کر صاحب نسبت ہو جاتے تھے اور اس نسبت کو باعث عزت و افتخار سمجھتے تھے، اور بعض آگاہی و شناسائی کے مرحلے سے ہی اپنی طبیعت کے کسی پسندیدہ موضوع علمی کی طرف واپس لوٹ آتے تھے۔ بہر صورت اپنے اپنے طرف اور اہلیت و قابلیت کی بات تھی۔ لوٹ آنے کے بعد وہ تصوف کی مخالفت کبھی نہ کرتے تھے۔ الا ماشاء اللہ۔ کیونکہ محدود طبیعتوں کے لوگ تو ہمیشہ رہے ہیں۔ کچھ آوازیں اگر خلاف بھی اٹھتی رہی ہیں تو ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ مجموعی طور پر فقہاء و آئمہ اسلام تصوف کی اہمیت کے قائل رہے ہیں۔

ایک شعبہ علم ہونے کے لحاظ سے تصوف کی اپنی ایک زبان ہے، اس میں کچھ مخصوص اصطلاحات اور تراکیب الفاظ ہیں جو صوفیاء کی آپس میں گفتگو کے دوران میں استعمال ہوتی ہیں۔ کسی کو وہ زبان اجنبی لگتی ہے تو وہ اس لحاظ سے حق پر ہے کہ وہ اسے پوری طرح سمجھ نہیں پاتا لیکن اس کا اس لغت و زبان پر اعتراض اس وقت تک بے معنی ہے جب تک وہ یہ نہیں کہتا کہ میں ان باتوں کو سمجھتا چاہتا ہوں، کچھ میرا لحاظ کرتے ہوئے اس زبان میں یہ باتیں کرو جسے میں بھی بخوبی سمجھ سکوں۔

”حقیقت ابدال“ کا پہلا حصہ چھپا تو وہ ایسے قارئین کے لئے تھا جو تصوف کے متعلق پہلے سے کچھ جانتے ہیں اور اسکی ”لغت“ کو سمجھتے ہیں چنانچہ ایسے قارئین نے اس کتاب کو تحسین کی نظروں سے دیکھا اور پڑھ کر پسندیدگی کا اظہار بھی کیا۔ اب اس خط سے معلوم ہوا کہ ایک اور طبقے کو یہ کتاب اوپری سی نظر آئی مگر اس کے بعض افراد میں ابھی تک کچھ شوق باقی ہے کہ وہ ایسی باتوں کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ تصوف اسلام کے باطن کی گہرائی اور نفسیات روحانی کا علم ہے۔ اس لئے اسے بعض اوقات سری علم اور سرستہ راز بھی کہا گیا ہے۔ مگر یہ ایسا راز ہے جو خود اپنی حفاظت کرتا ہے اور خود بخود کسی پر نہیں کھلتا جب تک کہ پہلے کسی کا مزاج اور طبیعت تبدیل نہ ہو اور اس میں قبولیت کی اہلیت پیدا نہ ہو جائے۔

اب جو شخص ”ولی اللہ“ کی ہی اصطلاح کو نہ مانتا ہو، وہ غوث، قطب، اور ابدال و اوتاد کے القاب کو کیا مانے گا اور کیسے جان سکے گا کہ یہ سب نام اور کام صوفیاء کرام کے دائرہ عمل کی فعالیت اور حرکت سے متعلق ہیں۔ ان کو محض علمی طور پر کوئی سمجھنا چاہے تو اس کے لئے یہ صرف باتیں ہیں جنہیں بڑی آسانی سے ادھام و قصص سمجھ کر رد بھی کیا جاسکتا ہے۔

تصوف کو اگر غیر صوفیانہ زبان میں بیان کیا جائے تو ظاہر ہے کہ آدمی بات بیان ہو سکے گی اور آدمی پھر بھی رہ جائے گی۔ کیونکہ کسی علم کے الفاظ و اصطلاحات کے ساتھ جو کلچر کی نفیس اور لطیف ہوا ذہن و دماغ میں چل پڑتی ہے، وہ نہیں چلے گی۔ ہاں، یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ اس زبان سے آگاہی کا کیا طریق ہے؟ اس کا جواب واضح ہے کہ اس علم کی کتابیں پڑھیے اور اس علم کے صحیح اور بازوق نمائندوں سے ملے، تب ممکن ہے کہ ایک پل پر جا کر آپ ان کی دنیا میں پہنچ جائیں۔ خواہ یہ پہنچنا محض شناسائی کے لئے ہو لیکن پہنچنا اور ان کے ساتھ مل بیٹھنا یا ان کے رسائل و کتب پڑھنا ضروری ہے۔ تعارف کے لئے اس قسم کی تقریبات لازمی ہوتی ہیں۔

یہی بات صوفیانہ لب و لہجہ، اسلوب اور چیرائیہ اظہار کے بارے میں کسی جا سکتی ہیں۔ تصوف، فلسفہ یا سائنس کی کتابیں سمجھنے کے لئے ان کی کچھ بنیادی اصطلاحات اور ان کے بنیادی نظریات کے متعلق جاننا ضروری ہوتا ہے۔ اگر واقعی علوم صوفیاء کے مطالعہ کا شوق ہے تو تصوف پر بھی ہر زبان میں بے شمار کتابیں آپ کو ایسی مل جائیں گی جو عام لوگوں کے لئے بھی ایسی ہی مفید ہیں جتنی خواص کے لئے۔ اور ان کو اسی طبقے کے لئے لکھا بھی گیا ہے مگر تصوف کو سمجھنے کے لئے ان کو پڑھنا

شرط ہے۔ خود اس فقیر نے کچھ کتابیں لکھی ہیں جو خواص صوفیاء کے لئے نہیں بلکہ تصوف کے بارے میں ابتدائی معلومات حاصل کرنے والوں کے لئے تحریر کی گئی ہیں مثلاً ”مسائل تصوف اور عصر جدید“ (۱) ”احوال و مقامات حضرت سلطان باہو“ (۲) ”سلطان العارفین سلطان باہو، حیات و تعلیمات“ (۳) وغیرہ۔ یہ کتابیں اگر کوئی پڑھے گا تو اسے ان کی لغت اجنبی معلوم نہ ہوگی۔

”ابدالیت“ کا موضوع چونکہ صوفیوں اور درویشوں کے حلقہ کا موضوع تھا لہذا اس کے اظہار و ابلاغ کے لئے جو زبان استعمال کی گئی یا چیرائیہ اظہار اختیار کیا گیا، وہ تصوف کا بنیادی علم رکھنے والے اہل حلقہ کے لئے موزوں و مناسب تھا، اور مقصود مستہابھی یہی تھا۔

اب کچھ سنجیدہ مسائل کی طرف آئیے، جن کی خط میں نشاندہی کی گئی ہے۔ سوال اٹھایا گیا ہے کہ ”ابدالیت“ کا ”نبوت کے معروف ترین ادارے“ سے کیا تعلق ہے؟

دراصل بات وہی ہے جو پہلے کہی جا چکی ہے کہ بحث سے پہلے کسی علم کی مبادیات کے بارے میں کچھ علم حاصل کرنے چاہئے اور پھر اسکی فروعات کے بارے میں گفتگو کرنی چاہئے۔ اب اس قسم کا سوال ایسے ہی طبقے کا کوئی فرد پوچھ سکتا ہے جسے تصوف کی ماہیت اور غرض و غایت کا کچھ پتہ ہی نہیں۔۔۔۔۔۔ یہ بات تصوف کی ابتدائی کتب میں بار بار دہرائی گئی ہے کہ تصوف کا تعلق کردار سازی اور اس کے عوامل و خصائص سے ہے، تصوف تزکیہ نفس اور تعظیم روحانی کا علم ہے جو احکام الہی کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا سارا زور عملی پہلو پر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ احکام الہی نبوت کی عطا ہیں یعنی شارح اور پیغمبر اللہ سے یہ احکام وصول کر کے خلق خدا تک پہنچاتا ہے۔ ان احکام کی تعمیل میں ایک ماننے والا اپنے کردار کو صیقل کرتا ہے اور اسی زندگی میں اللہ کے قرب میں کوئی درجہ پا لیتا ہے۔ صوفیاء اسے مقرب، فقیر کامل یا ولی اللہ کہتے ہیں۔ اب یہ قرب کا درجہ پا لینے والا معاشرے میں

پوشیدہ گروہ ہے، اسی لئے ان کو رجال غیب کہا جاتا ہے۔ اگر ان کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو جاتی ہیں تو اہل ملتہ طالبین انہیں اپنے علم میں اضافہ کی بات سمجھتے ہیں اور اگر ان کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہ چلے، تب بھی کوئی خاص حرج نہیں، کسی کے ایمان میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ ہاں، تعلیم کے نکتہء نظر سے کسی علمی پہلو کا تشنہ رہ جانا دوسری بات ہے۔

اس بحث میں خط کے اندر عبارت میں ایک لفظ ”سیکولر“ استعمال کیا گیا ہے۔ پوچھا گیا ہے کہ آیا ان ابدالوں کا کام سیکولر نوعیت کا ہے۔ پہلے سیکولر کے معنی وضاحت طلب ہیں۔ سیکولر کی اصطلاح ہر اس کام اور نظام کے بارے میں استعمال کی جاتی ہے جس کا براہ راست دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ خدمت خلق کو آپ کیا سمجھتے ہیں؟ کیا طیب کے کام کو سیکولر سمجھتے ہیں؟ کیا سائنس دانوں کے کام کو سیکولر جانتے ہیں؟ اصل بات آپ کے ایمان اور نکتہء نظر کی ہے۔ جو آدمی بھی ایمان کی روشنی میں خدمت خلق کے لئے آگے بڑھتا ہے، اس کا کام سیکولر نہیں رہتا، بلکہ عین دین کا کام ہو جاتا ہے۔ ابدال و اوتاد خدمت خلق پر مامور ہیں اور متقی و دیندار لوگ ہوتے ہیں۔ لہذا ان کا کام اس لحاظ سے سیکولر نہیں ہوتا۔ مخلوق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ خلقت اللہ کا کنبہ ہے۔ گویا خلقت کی خدمت ایک دینی فریضہ ہے۔ اگر ہر کام نیت خالص کر کے کسی نہ کسی دینی حکم کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے تو مومن کے لئے کوئی کام سیکولر نہیں رہتا۔

چنانچہ خدمت کے لئے ابدال کا ہر قوم پر گذر ہوتا ہے اور وہ اس کو عین دین سمجھتے ہوئے یہ فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ کتاب میں تذکرہ غوثیہ کی ایک روایت نقل کی جا چکی ہے کہ خضر اور ان کے ساتھی برہمنوں کا بھیس بدل کر زخمی ہندو فوجیوں کو پانی پلاتے ہوئے پائے گئے۔



بے شک نبوت ختم ہو گئی، آخری نبوت کے ساتھ احکام الہی بھی مکمل طور پر

ایسے ہی نہیں بیٹھ جاتا بلکہ وہ اپنے تئیں خدمت خلق کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ وہ جس شعبے میں ہوتا ہے، فی سبیل اللہ نیت کو خالص کر کے کام میں لگ جاتا ہے اور اس شعبے میں پوشیدہ یا ظاہر قاتل قدر کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ کچھ ایسے اولیاء اللہ بھی ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتوں کے ذریعہ کسی خاص کام پر لگا دیتا ہے۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرشتوں کے واسطے سے نبیوں تک کلام پہنچاتا ہے اور لوگ کلام اللہ تک رسائی یا اس سے اطلاع پاتے ہیں۔ بیہ اللہ تعالیٰ اپنے قضا و قدر کے کام میں فرشتوں کے ذریعہ ان مقرب بندوں یا بعض اولیاء اللہ تک احکام پہنچاتا ہے اور وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

اب نبوت کے ادارے کی نوعیت اور اسکی کارکردگی واضح ہو گئی کہ نبوت تو وہ درسگاہ ہے جس کے بغیر تعلیم ہے نہ تربیت اور اس کے نتیجے میں شخصیت ہے نہ کردار۔ اس تعلیم و تربیت سے فیض یاب ہو کر ہی کوئی آگے بڑھ کر کام کر سکتا ہے اور اس قاتل ہو سکتا ہے کہ اللہ کی قدرت کے ہاتھوں میں ایک وسیلہ واسطہ بن کر کام کرے۔ لہذا ادارہ نبوت اس ضمن میں ”کوئی کم حیثیت انسانی معاشرتی قدر“ نہیں ہے بلکہ تعلیم و تربیت کا بنیادی ادارہ ہے۔ اسی ادارے سے علماء و فقہاء اور ان میں ابدال و صوفیاء کرام تعلیم و تربیت پا کر نکلتے ہیں اور اپنے اپنے دائروں میں کام کرتے ہیں۔ (۴)

بات پھر پیرایہ انظار کی آگئی کہ ابدالوں کے متعلق سمجھانے کے لئے ایسا اسلوب اختیار کرنا چاہئے کہ بات معترضین کے پلے پڑ سکے مگر خردمند حضرات اس نکتے کو ضرور ذہن میں رکھیں کہ ابدالوں کے متعلق سمجھانے اور سمجھنے کے لئے کوئی بھی دینی سطح پر مکھٹ نہیں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو تصوف کے علم میں رسوخ رکھتے ہیں۔ بلکہ ابدال تو اپنے نام اور کام کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ شاید ان کے نزدیک وہ آدمی کسی خاص حیثیت کا حامل نہ ہو جو ان کے بارے میں باتیں بتاتا پھرتا ہے یا ان کے کام سے متعلق کچھ پنہاں باتیں لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ یہ تو اولیاء اللہ کا ایک

جنوں اور انسانوں تک پہنچ گئے مگر یہ جو کہا گیا ہے کہ اسکے ساتھ ”معجزات اور خوارق کا عمد تمام ہوا“ اب یہ کہنے کے انداز کا فرق ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ بانی اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال یا غیبت کے بعد بھی آپ کے معجزات کا یہ عالم ہے کہ پے در پے اس امت پر رحمت کی شکل میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ اگر ایک طرف حالات کی تقاضوں کے ساتھ اجتہاد کے فرائض ادا ہو رہے ہیں تو دوسری طرف حضور کی برکت عظیمہ کے پر تو سے عجیب و غریب شخصیتیں پیدا ہو رہی ہیں۔

شوکتِ سخن و تسلیمِ تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

اس اُمت میں جس قدر محیر العقول کارنامے لوگوں سے سرزد ہو رہے ہیں یا جو کرامتیں معرض وجود میں آ رہی ہیں، دراصل وہ سب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معجزات ہیں بلکہ اس امت کا قیام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خوارق عادات میں سے ہے۔ عاشقِ رسولِ اقبال (رحمۃ اللہ علیہ) اس حقیقت تک پہنچ گیا تھا کہ اس نے کہا۔

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

اقبال نے یہ بھی کہا کہ اس امت کی تہذیب مرے گی نہیں، صرف ادوار بدلتے رہیں گے، کیا یہ قوموں کی تاریخ میں ایک معجزہ اور خوارق عادات کا نامہ نہیں ہے؟ اب اس صورت حال میں یہ سوال عجیب معلوم ہو گا کہ اسلام کے آجانے کے بعد ابدال اور غوث و قطب کا کیا مقام اور کیا حیثیت اور ان چیزوں کا کیا صلہ؟ ان کا مقام وہی ہے جو قضا و قدر کے کارکنان اور دیگر اہل خدمات کا ہوتا ہے اور حیثیت وہی ہے جو ان کے عجیب و غریب نوعیت کے کاموں سے ظاہر ہے۔ رہا صلہ، تو خدمت خلق اور قبیلِ امر کا جو صلہ اللہ کے ہاں مقدر ہے، وہی ان کا ہوتا ہے۔

اگلی فصل میں ایک کتاب کا ذکر ہو رہا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ انسانوں

کے اندر ایسے اہل خدمات کا اہل کتاب کی روایات میں بھی مختلف ناموں سے ذکر موجود ہے اور اب بھی ان کا یہ کام جاری ہے۔۔۔۔۔ ان کا کام انسان کی تاریخ کا کوئی حصہ ہے یا نہیں تو مذکورہ کتاب کے مصنف کے نزدیک انفرادی طور پر تو یہ لوگ انسانوں کی مدد کرتے ہی ہیں، دراصل ان کا ”کارِ عظیم“ تہذیبوں کی تشکیل و تعمیر اور ارتقاء سے متعلق ہے۔

یہ بات پھر محلِ نظر ہے کہ آیا تاریخ میں حالات، صحیح محرکات و اسباب و نتائج بیان کئے جاتے ہیں؟ کیا یہ درست نہیں ہے کہ کتنی ہی گفتمانی حقیقتیں ناگفتنی رہ جاتی ہیں اور کتنے ہی کاموں کا ذکر کسی نہ کسی وجہ سے اظہار بیان میں راہ نہیں پاتا۔ تاریخ کی کتابیں اس لحاظ سے ہمیشہ ایک نامکمل کہانی پیش کرتی ہیں۔ پھر ان لوگوں کے کام پر آپ کیسے حکم لگائیں گے جو اپنے کام کی نوعیت کے لحاظ سے ویسے ہی پوشیدہ رہ کر کام کرتے ہیں اور رجالِ غیب کہلاتے ہیں۔ ان کا کام یقیناً تاریخ کا حصہ ہے مگر عام مورخین کی نظروں سے بھی وہ پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔

آخر میں رہ گئی شرک کی بات۔ اس کی تنبیہ کتاب کی آخری فصل میں موجود ہے لیکن ابدالوں کا کام مظاہر شرک کے زمرہ میں کیسے آگیا۔ یہ تو حکم کے بندے ہیں اور خضر (علیہ السلام) کا جواب اس سلسلہ میں آیت کے طور پر موجود ہے جس میں وہ بزرگ انکساری کے ساتھ اقرار کرتا ہے ”وَمَا لَعَنَهُ عَنْ أُمِّي“ (اور میں نے یہ اپنے حکم سے نہیں کیا) بات وہی ہے جو صوفیاء کرام کی ضربِ التل میں بتائی گئی ہے۔ ہر کئے را بہر کارے ساختند یا ہر مودے و ہر کارے ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر کسی کام کے لئے پیدا ہوا جسے وہ سرانجام دے رہا ہے۔ اس پر شرک کے اعتراض کی کوئی وجہ نہیں۔ سنت اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے کوئی نہ کوئی کام لے رہا ہے۔ اگر اپنے بعض پوشیدہ مقرب بندوں یا اولیاء اللہ سے وہ احکام قضا و قدر کے نفاذ کا کام لے رہا ہے، تو اعتراض بے محل ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ فرشتوں جیسے کام کرتے ہیں۔



ایک کتاب اور اس کی تلخیص

اب ایک کتاب کے مندرجات کی طرف رجوع فرمائیے جس کے تعارف کے لئے کچھ تمہیدی کلمات لکھے گئے ہیں۔ بعدہ ذیل میں اسکے جتنے جتنے خیالات و نظریات کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔ تاہم یہ نکتہ ضرور ملحوظ رہے کہ مصنف نے بعض نظریات و تحقیقی مقالات عام ڈگر سے ہٹ کر سوچے اور سمجھے ہیں۔ ان پر آگے تبصرہ کے باب میں گفتگو کی گئی ہے۔

اس صدی کے اوائل میں تھیوسوفیکل مفکرین کے خیالات کے زیر اثر انگریزی زبان میں کچھ ایسی کتابیں ضرور لکھی گئیں جن میں بتایا گیا کہ ہالیہ کی پھاڑیوں میں کچھ ایسے مراکز ہیں جن میں بیٹھے روحانی استاد عام لوگوں میں دنیاوی معاملات کی سر انجام دہی کے لئے یا غور کرنے والے اذہان کے اندر خیال انگیزی کے سلسلہ میں خفی طور پر ہدایات جاری کرتے رہتے ہیں اور ان کی یہ ہدایات خیالات کی لہروں کی شکل میں نہ صرف پوری تہذیب کے وجود میں جاری و ساری رہتی ہیں بلکہ اسکی کارکردگی کے لئے جت و سست کو بھی متاثر کرتی رہتی ہیں۔ ہاں ہمہ تصوف کے حوالے سے صرف ارنسٹ سکاٹ نے ایک اہم تصنیف (۵) پیش کی ہے جس کا عنوان (رجال غیب) "The People Of The Secret" ہے۔ یہ کتاب ایسے پوشیدہ ناظمین کے موضوع پر ہے جو خفیہ تنظیم کے عہدیدار یا اہل کار ہیں۔ کتاب خاصی حد تک تحقیق رنگ لئے ہوئے ہے۔

نظریہ تصوف کے متعلق مصنف کا نکتہء نگاہ محل نظر ہے۔ مغرب میں پچاس ساٹھ سال پہلے تصوف کے بارے میں مستشرقین نے اس نظریہ کو خاصا آگے بڑھایا کہ

تصوف اسلام میں عیسائی راہبوں کی دیکھا دیکھی پھیلا یا باہر کے دیگر اثرات و عوامل۔ مثلاً "ہندو ویدانت اور بدھ مت اور عجمی روایات نے اس کے لئے بنیادی مواد فراہم کیا اور اس طرح گویا ان کے خیال میں مسلمانوں کے اندر تصوف کی روایت کی بنیاد پڑی۔ بعد ازاں دوسرے دور میں مغرب میں کچھ ایسے نو مسلم صوفیاء نے کتابیں لکھیں جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد المغرب کے زاویوں میں صوفیانہ تربیت پائی ہے مثلاً "ٹائٹس برکمارٹ، شوآن اور مارٹن لنگز وغیرہم۔ انہوں نے ثابت کیا کہ تصوف کے سوتے براہ راست قرآن و حدیث اور دیگر اسلامی سرچشموں سے پھوٹتے ہیں۔ چنانچہ اب ان کے زیر اثر دوسرے محققین بھی یہ ماننے لگے ہیں کہ تصوف اسلام ہی کی داخلی سری روایت ہے۔

"رجال غیب" کا مصنف ان سے الگ نظریہ رکھتا ہے۔ وہ مطلقاً سری روایت کو معروف ادیان یعنی ہندو دھرم، بدھ دھرم، یسویت، عیسائیت اور اسلام سے ماوراء مانتا ہے۔ البتہ ان ادیان کو وہ صوفی روایت کا حصہ اور ان کے بانیوں کو صوفیت کے رہبر سمجھتا ہے۔ یعنی سارے ادیان صوفی روایت کے اندر مختلف مذاہب ہیں اور ان کے بانصن اپنے وقت کے بزرگ صوفی تھے جو سری فیوض کی رو سے فیض یاب اور متاثر ہوئے۔ کتاب میں مرکزی خیال یہ پیش کیا گیا ہے کہ اس برتر سری روایت (جسے مصنف صوفیت (SUFISIM) کہتا ہے) کے نمائندے یا مطمئن انفرادی اور اجتماعی سطحوں پر مختلف طریقوں سے اپنا کام جاری رکھتے ہیں۔ ان کو جو کام تفویض ہوا ہے وہ انسان و کائنات کے ارتقائی سفر میں رہبری کا ہے۔ انہی کے خیالات اور منصوبے انسانی دماغوں میں راہ پاتے ہیں، غرضیکہ جہاں کوئی بھی کار جہاں جہاں میں مصروف ہے، انہی کے زیر اثر ایسا کر رہا ہے۔

یہ ایک قسم کا خفیہ نظام ہے جسے خفیہ روحانی حکومت بھی کہہ سکتے ہیں، اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کے نظام کے تحت اگر تکنیکی امور سرانجام پا رہے ہیں تو زمین پر جنگیں کیوں ہوتی ہیں اور تفرقہ بازی میں تنازعات کیوں جنم لیتے

ہیں؟ مصنف کے نزدیک جتنیں بظاہر منفی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں مگر ان کی حقیقت آپریشن کی سی ہوتی ہے یا جیسے کانٹا چھ جائے تو اسے نکالنا ضروری ہو۔ اب کانٹا نکالنے ہوئے تکلیف تو ہوتی ہے، خون بھی ضائع ہوتا ہے، نیز کمزوری پیدا ہو جاتی ہے مگر انجام کار تندرستی کے لئے یہ اقدام مفید ثابت ہوتا ہے۔ اقبال نے بھی کہا ہے۔

اللہ کے نشتر ہیں تیور ہو یا چنگیز

اسی طرح بعض اوقات دو فریق یہ جانے بغیر آپس میں لڑتے ہیں کہ ان کے درمیان ان کے خیال میں بظاہر کوئی تنازعہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر ایک طویل مدت تک آگے مستقبل پر نظر ڈالی جائے تو وہ دونوں ایک ہی مقصد کو آگے بڑھا رہے ہوتے ہیں۔ جیسے صلیبی جنگوں میں ہوا کہ اس کے ذریعے مشرق و مغرب کے آپس میں ملنے کی صورت پیدا ہوئی یا بعد ازاں روڈنیل کے کنارے نپولین کے لشکر اور مصر کے ممالیک کی فوجوں کا آمناسامنا ہوا تو وہاں بھی دراصل مشرق و مغرب آپس میں مل رہے تھے۔ تہذیبیں ایسے ہی وسائل کے ذریعے ایک دوسرے سے اثرات قبول کرتی ہیں اور ایک دوسرے سے قوت حاصل کر کے آگے بڑھتی ہیں۔

یہ بات بھی ماننی پڑتی ہے کہ چونکہ انسانوں کے اندر اختیار کا عنصر بھی موجود ہے اس لئے کہیں نہ کہیں سے شرکی قوت بھی در آتی ہے اور اس طرح سے تباہی پھیلتی ہے اور ناحق خونریزی کے واقعات بھی رو پذیر ہوتے ہیں مگر پھر یہ فریضہ ”فہم بالا“ کے ذمہ ہوتا ہے کہ اس غلط کاری کو درست کیا جائے اور حالات کا رخ کسی صحیح جہت کی طرف موڑ دیا جائے۔



فرد اور تہذیب کی عمر کا اندازہ کیجئے تو ایک فرد کی عمر کا پیمانہ یوں نظر آتا ہے۔

دس ماہ: بطن مادر میں

سوماہ: مدت طفلی

اور عام اوسط زندگی کا طویل عرصہ: ایک ہزار ماہ (تقریباً ۸۰ سال)

اب اگر کسی تہذیب کی مدت عمر دیکھیں تو اسی کی مانند سرسری طور پر اس کا پیمانہ یوں نظر آئے گا کہ آٹھ سال کی مدت میں کسی تہذیب کا بیج بویا جاتا ہے۔ اس مدت میں وہ نشوونما پاتی ہے اور آٹھ سو سال میں وہ پھلتی پھولتی ہے۔ آٹھ سو سال کے اختتام پر یہ تہذیب مر جاتی ہے یا اس کا ایک دور ختم ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی نئی تہذیب آ جاتی ہے یا وہی تہذیب بالکل نئے روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔ مصر و یونان و روم کی تہذیبوں اور ابتدائی عیسائی ثقافت کی تاریخ بھی ظاہر کرتی ہے۔ اس کے بعد اندلس میں اسلامی تہذیب نے عروج پکڑا تو گو اندلس کی اسلامی حکومت اور یورپ کی عیسائی حکومتوں کے درمیان کشمکش رہی مگر علم و ثقافت ان حکومتوں کی حدود کو پھلانگ کر ایک دوسرے کے گلے ملے۔ جیسے صلیبی جنگوں میں ہوا۔ ایک طرف مشارکت اور دوسری طرف مقابلہ۔ مگر اس مشارکت اور مقابلے کی فضاء میں تہذیب آگے بڑھتی رہی اور اسی ارتقاء کے سفر میں یورپ میں ایک مرحلے پر تحریک احیائے علوم ظاہر ہوئی جس کی ترقی کا نکتہء عروج تقریباً ۱۴۳۵ء تھا جب کہ فضائی نقل و حمل کے ذرائع ظاہر ہوئے اور ریڈیو اور سینما کے آنے پر پرانے طور طریقے حثروک ہو گئے۔ اس وقت یہ تہذیب بیک وقت بلوغت اور بتدریج زوال کے راستے پر ہے۔ شاید یہ ظاہری طور پر ستائیسویں صدی تک باقی رہ جائے مگر اس سے پہلے اس کی جانشین تہذیب ناپیدہ اور غیر محسوس طور پر پیدا ہو چکی ہوگی۔ مصنف کے زاویہء نظر سے دیکھا جائے تو تہذیبوں کے عروج و زوال کے پیچھے ایک خاص عقلی حکمت کارفرما نظر آتی ہے اور ایسے میں کچھ ایسے مزان کار کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے جو بنی نوع انسان کے پوشیدہ مطمئن د مہی ہیں اور ارتقاء کے راستے پر اس کے غیبی نگران اور ہدایت کار ہیں۔

یہ نگرانی اور ہدایت کاری ظاہری مذاہب کی بلند تر سطح پر جاری رہتی ہے۔ حکیم جامی نے کہا ہے کہ افلاطون، بقراط، فیثاغورث اور ہرمز، اشاعت صوفیت کی مسلسل تحریک کا حصہ تھے گو مسلمان صوفیاء نے اسلام کی ہیئت کار کے دائرہ کے اندر

رہ کر کام کیا مگر جہاں تک تہذیب کے ارتقاء میں ان کی خدمات کا تعلق ہے یہ محض انسانی سطح پر سرانجام دی گئیں۔ مسلمان صوفیاء نے اندلس میں کئی عارضی اور مستقل اقدامات کئے جس سے تہذیب کے ارتقاء نے یقینی صورت حال اختیار کی۔ صاحب نسبت لوگوں کی ایک تعداد تمام مقامات پر تمام زمانوں میں عام لوگوں کے درمیان موجود رہی ہے۔ بعض اوقات لوگوں کو ان کے متعلق یقینی طور پر معلوم بھی ہوتا تھا یا بعض اوقات وہ شک کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے لیکن وہ ہمیشہ ان کے اندر موجود رہے۔ یوں جیسا کہ اس خفیہ تنظیم کا قاعدہ ہے، وہ عام طور پر معاشرے میں بالکل گمنام ہو کر رہتے تھے۔ اس خفیہ نظام میں مسلمان ولیوں نے بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ قرطبہ اور بغداد کے درمیان بسنے والی یورپی اقوام میں تہذیب کا احساس پیدا کیا اور تاریخ کے مدو جزر میں جہاں عالم گیر تہذیب و ثقافت کے مقاصد نظر آتے ہیں، وہاں اس برتر خفیہ نظام کے مگران بھی کام کرتے ہوئے دیکھے اور پہچانے جاسکتے ہیں جنہیں ابدال و اوتاد کہا جاتا ہے۔

تاریخ کا ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ رومی شان و شوکت کا محض ایک عکس باقی تھا اور ایجنٹز میں فلسفے اور بیروت میں قانون کے مدرسے کھلے تھے، مصر اور شام میں علم سائنس کا مطالعہ کیا جا رہا تھا اور اسکندریہ میں ایک بڑا کتب خانہ موجود تھا۔ اس موقع پر خفیہ روحانی انتظامیہ نے رومی تہذیب، عیسائیت اور اسلام کو ملا کر ان کے تہذیبی عناصر کو ایک نئی ترکیب دی۔ یہ کام مختلف سطحوں پر مختلف طریقوں سے ہوا۔ رازی اور ابن سینا دو ایسے بڑے آدمی تھے جنہوں نے یورپ میں عقلیت کا انجکشن لگانے کے لئے بہت سا خام مواد مہیا کیا۔

منصور حلاج نے جان دے کر اسلامی تہذیب کے ایک دور میں مذہبی و ثقافتی فضا کے جمود کو توڑا۔

قرطبہ میں ابن مسرہ کے مدرسے سے یورپی شعور میں اشراقیت در آئی۔ شاعری میں جنوبی فرانس میں ”طرب دور“ کی تحریک نے عشق و محبت کی ایک نئی سمت واضح

کی جس نے آگے چل کر یورپ کی تہذیب کو عموماً اور اس کے ادب کو خصوصاً متاثر کیا۔

یورپ میں جتنی خفیہ یا ظاہر تحریکیں شروع ہوئیں، ان کے پیچھے کہیں نہ کہیں کوئی صوفی بزرگ یا ان کا کوئی نمائندہ ضرور نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ مصنف کے نزدیک فری مین تنظیم بھی ایک ایسی ہی تنظیم ہے جو ابوالفیض ذوالنون مصری (رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے خلفاء نے شروع کی تھی نیز گلاب کی علامتی تحریک اور ٹائٹ ٹمپلز سب اسی امر کی مثالیں ہیں۔ پھر موجودہ دور کے اوائل میں ایک سریت پسند روسی گرجیف، یورپ میں جو ذہنی اور روحانی قوت کے مظاہرے کرتا رہا تو یہ سب تہذیب کی ارتقائی سطح پر صوفیوں کے تمام و ناتمام تجربات کا حصہ تھے اس کے پیچھے کہیں نہ کہیں خفیہ روحانی تنظیم کا ہاتھ ضرور کام کر رہا تھا۔

یہ جو بعض تاریخی تنظیموں میں نوعیت یا سرگرمی کے لحاظ سے خفیہ و فراز یا کمی بیشی نظر آتی ہے، شاید اس وجہ سے تھی کہ کام کے مگران روحانی شعور کی مختلف سطحوں سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض اوقات یہ بذات خود انتظامیہ کے ارکان ہوتے تھے اور بعض اوقات محض ان کے آلہء کار یا ایجنٹ، ان کا کام ان کے شعور کی سطح کے درجے کے مطابق اٹے بڑھتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں کام پورا سرانجام پایا اور کہیں ادھورا رہ گیا مگر عین مقصد کے مطابق ایسا ہوا۔

موجودہ دور میں سائنس دانوں پر قدیم دور کے کیمیا دان اثر انداز ہوتے رہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص ایٹم کے توڑنے پر کام کر رہا تھا، تب بھی ایک پراسرار شخص نے آکر اسے بتایا کہ یہ تکنیک پرانے کیمیا دانوں کو معلوم تھی مگر وہ اس کے نتیجے میں خلق خدا کی ہلاکت و تباہی کے ڈر سے مزید تجربات سے باز رہے۔

یونگ کی نفسیات پر قدیم علم النفس کا عکس صاف نظر آتا ہے، جسے اس نے خود تسلیم کیا ہے۔ البرٹس، اکیوناس اور بیکن وہ پراسرار لوگ تھے جو اوپر کی سطح پر کسی نہ کسی شکل میں خفیہ تنظیم کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے اور کسی حد تک ان کے تھوڑے

کافرستان میں تھے یا کچھ ترکستان میں تھے اور یہی اس کے علم اور معلومات کے مصادر تھے۔

افغانستان ایک ایسی معروف جگہ رہی ہے کہ جہاں سے مشرق اور مغرب میں کئی نظام پھیلے۔ ہندوستان میں صوفیاء کرام افغانستان ہی سے پہنچے اور ترکی تک بھی تصوف کے نمائندے افغانستان سے ہی گئے مثلاً ”مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے والد بلخ سے گئے۔ تبت تک صوفی پہنچے جب تبت میں دلائی لاما کا راج تھا تو اس کو محل تک پانچ درویش لے کر جاتے تھے۔ جاپان میں زین بدھ ازم یہیں کہیں سے گئی ہوئی صوفیانہ تحریک کا مظہر ہے۔ گویا افغانستان ایک ایسا پاور ہاؤس ہے جہاں سے دور دور تک صوفیانہ تحریک کے نمائندے پہنچتے رہے ہیں اور اس وقت بھی کام کر رہے ہیں۔ اشارۃً ”کتاب میں نام لئے بغیر بتایا گیا ہے کہ تصوف میں کئی کتابوں کے مصنف افغان سید اور نقشبندی شیخ اور یس شاہ ہاشمی ایک ایسے قطب ارشاد ہیں جو یورپ اور امریکہ میں متصوفانہ خیالات کا پرچار کرنے پر مبعوث ہیں۔ ان کی کتب اور ان کے لیکچرز کے ذریعے مختلف علمی شعبوں ان صوفیانہ خیالات کا ٹیکہ لگ رہا ہے جو اس وقت خفیہ روحانی تنظیم کا مقصود و مسلوب ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا، مغرب میں فری مین، گلاب کے پھول سے متعلق گروہ اور جوانمردی کی تنظیمیں صوفیانہ اداروں کے زیر اثر شروع ہوئیں، مشرق میں کالی دیوی کے پجاری اور چھوٹے بڑے ملنگ، درویش سب کسی نہ کسی صورت میں صوفیوں کے زیر اثر رہے اور کہیں کہیں ان کی گمراہی اور کج روی کے سبب معاملات میں گڑبڑ بھی ہوئی۔ جیسے اسماعیلیوں میں حسن بن صباح کی گمراہی نے گل کھلائے۔ اسماعیلیہ تحریک میں کج روی تب پیدا ہوئی جب انہوں نے روحانی خفیہ تنظیم کے طریقوں کو سیاست میں استعمال کر ڈالا اور اس سے جو بربادی ہوئی وہ اب تاریخی بیان کا حصہ ہے۔



خفیہ طور پر کام کرنے والے افراد یا ان کی تنظیم کے متعلق انکشاف صرف

بہت نمائندے بھی تھے۔ انہوں نے اپنے دور پر بھرپور اثر ڈالا اور مشرق و مغرب کے تمدنی رجحانات و حالات کے اتحاد میں خدمات سرانجام دیں۔

ایک عجیب و غریب شخصیت عیسائی پادری اور مبلغ لی کی ہے، جس نے مسلمان کیمیا دانوں اور عالموں سے حکمت کا چراغ روشن کیا اور آگے عیسائی دنیا میں روشنی پھیلائی۔ بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ مسلمان کیمیا دان یا سائنس دان سبھی صوفی تھے جن کی وجہ سے سائنسی علوم کی مبادیات کا مغربی دنیا میں تعارف ہوا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ان برسوں میں کیمیا دانوں کے اندر سونا بنانے کی مہارت کا تذکرہ رہا۔ کیا یہ سونا بنا لیتے تھے؟ تذکروں میں واضح طور پر ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ یہ کیمیا دان سونا بنانے میں دسترس رکھتے تھے مگر کیا ان کا مقصد محض سونا بنانا ہی تھا؟ اندریں بارہ تذکروں میں بہت سے واقعات کا بیان ظاہر کرتا ہے کہ یہ تجربہ ان کے نزدیک محض ایک نکتہ کی وضاحت کی عملی مثال تھا اور وہ نکتہ یہ تھا کہ نفسیاتی طور پر طبائع بدل سکتی ہیں اور کھونے کو کھرا بنایا جاسکتا ہے۔

غرضیکہ اندلس کی سلطنت اور اس کے آس پاس پر اسرار شخصیتوں، نیز زر سازی اور کیمیا دانی کے علوم میں ایک واحد رشتہ نظر آتا ہے اور وہ ہے صوفیانہ تحریک۔



جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، اس صدی کے اوائل میں ایک شخص گورجیٹ کا بہت تذکرہ رہا، یہ کاکیشیا کا رہنے والا تھا اور افغانستان اور ترکستان کے بعض صوفیانہ مرکزوں تک اس نے رسائی حاصل کر لی تھی جہاں وہ کچھ عرصہ رہا، کچھ باتیں سیکھیں اور پھر یورپ میں شعبہ بازی کے مظاہرے کرتا پھرا۔ لیکن دیکھا جائے تو وہ خود ایک حد تک صوفی تحریک کا آلہ کار تھا کہ اس کی وجہ سے کئی متصوفانہ خیالات مغربی دنیا کی رگ و پے میں پھیل گئے۔ گورجیٹ جن مراکز تک پہنچا، ان میں سے ایک دو بلخ اور

مسلمان صوفیوں کی تحریروں میں ہی نہیں ملتا بلکہ عیسائی اور یہودی صحف میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ مسلمان صوفی جسے خضر (علیہ السلام) کہتے ہیں، اسکو یہودی روایات میں ”ابی جاہ“ کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہودی روایات کے مطابق چھتیس دوسرے آدمی ہیں جو یک جان اور متحد ہو کر کام کرتے ہیں۔ اسلامی صوفیانہ روایات میں یہی لوگ ابدال اور اوتاد کہلاتے ہیں۔ اگر آج کی دنیا اس کارکردگی کا فہم نہیں رکھتی تو کوئی بات نہیں، شاید آنے والے دور میں یہ سب راز کھل جائے۔

اسی طرح آپس میں رسل و رسائل اور رابطہ و پیام کے جو ذرائع یہ لوگ استعمال کرتے ہیں وہ بھی موجودہ دور کی عام نفسیات کی دسترس سے باہر ہیں گو بطور علی ثبوت بعض غیر معمولی قابلیتیں رکھنے والے لوگ ان کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں مگر ہر شخص ان میں مہارت حاصل کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ صوفیوں کی خفیہ تنظیم یا پوشیدہ حکومت اپنے ممبرانوں اور کارندوں کے ساتھ بمعاملہ رشد و ہدایت مادیاتی نفسیات کے مندرجہ ذیل تکنیکی ذرائع استعمال کرتی ہے۔

روشن ضمیری

توجہ و تصرف

جس دم و جس نظر

جذبہ و کشش وغیرہ وغیرہ

منطقی مزاج تحقیق رکھنے والوں کے لئے یہ سب معلومات شاید مکمل طور پر قابل قبول نہ ہوں گی لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ منطق کا میدان بہت محدود ہے اور بہت سے پڑھنے والے منطق سے آگے بڑھ کر سوچنے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

تاریخ یوں ہی نہیں بنتی بلکہ اس طویل انسان داستان کا اسکرپٹ انسانی پیدائش سے بھی پہلے لکھ لیا گیا تھا۔

بنی نوع انسان کے لئے کچھ ایسے فائدے اور مقاصد مقدر ہیں جو اسے زمان

ارضی کے وقفوں کے دوران میں حاصل کرنے ہیں، یہ فوائد ہمارے پورے جسمی نظام کی نشوونما اور توازن کے لئے لازمی ہیں جس کا زمین ایک حصہ ہے۔ سمت، رفتار اور منتہائے مقصود سب اللہ کے ارادے پر منحصر ہیں۔ مشیت الہی یہی ہے کہ عالمگیر طریق کار ایک خاص طرز پر مخصوص منتہا کی طرف آگے بڑھے گا جبکہ اس امکان کا در کھلا رہے گا کہ یہ کارکردگی مخالف سمت میں بھی جاسکتی ہے۔

بہت اونچے درجے کے ”اہل فہم حضرات“ اس بات کو یقینی بنانے کے لئے عالمگیر ارتقاء کی نگرانی کرتے ہیں کہ مشیت الہی پوری ہو۔ یہ ”اہل فہم و فراست“ جبر اور ترغیب دونوں سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے کبھی یہاں جبر ہوتا ہے اور کبھی اختیار۔ زمین پر اس طریق کار اور عمل کی ذمہ داری اس ”فہم“ پر ہے جسے پوشیدہ حکومت کہتے ہیں (انہیں عام طور پر اسلامی روایات میں ابدال، اوتاد اور غوث و قطب کہا جاتا ہے) اس رائے کو ماننے کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں کہ آیا یہ ”فہم برتر“ عام انسان کی سمجھ میں بھی آ سکتا ہے یا نہیں اور آیا یہ مجموعی فہم ہے یا سبکی الگ کوئی ظاہری مادی حیثیت ہے۔ (۶) البتہ ایک خاص سطح سے نیچے معمولی لوگوں میں سے کچھ افراد جن میں کچھ صفاتی تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں، اس انتظامیہ سے رابطہ قائم کر لیتے ہیں اور وقفے وقفے میں اس کے شعور سے آگاہ ہوتے رہتے ہیں۔ برتر اور اعلیٰ فہم و فراست رکھنے والا یہ گروہ وہ ہے جسے خفیہ حکومت کہا گیا ہے، ماضی سے لے کر آج تک اقطاب اور ابدال کے تمام قصوں کے پیچھے دراصل یہ حقیقت پنہاں ہے۔

زمین پر کہیں ایسے مراکز موجود ہو سکتے ہیں جہاں سے یہ حکومت کام کرتی ہے۔ ان میں سے ایک ایسا ہی مرکز کبھی افغانستان میں تھا اور ہو سکتا ہے اب بھی وہیں ہو، علاوہ ازیں مختلف لسانی گروہوں سے متعلق کئی دوسرے مراکز بھی ہو سکتے ہیں۔

یہ حکومت نظام بالا کے مجموعی اور مفصل منصوبے کو نافذ کرنے کے لئے کام کرتی ہے۔ اس کے محرکات اور افعال عام حسی سطح سے بلند تر سطح پر انجام پاتے ہیں۔ یہ حکومت اپنے ماتحت ابدالوں کے ذریعہ عام روزمرہ زندگی کی سطح پر کام کرتی

ہے اور یہ لوگ قوموں کی عام رواں دواں زندگی میں بھی حصہ لیتے ہیں اور تقریباً مکمل طور پر یا کسی حد تک غیر مشکوک یا پوشیدہ حالت میں رہتے ہیں۔ یہ رجال غیب ہیں۔

وہ جو عام زندگی میں متحرک رہتے ہیں، انہیں تاریخ یا مائیل تاریخ کے مختلف زمانوں میں بہت سے ناموں سے جانا پہچانا گیا ہے۔ وہ جو افغانستان میں واقع مرکز کے حکم کے سلسلہ سے منسلک تھے، انہیں صوفی کہا جاتا رہا ہے۔

عام انسانوں کی خدمت کے ساتھ ساتھ خفیہ حکومت اور اس کے ماتحت اہل خدمات مقامی سطح پر انفرادی طور پر بھی لوگوں کے شعور کو بلند کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ جب عام افراد میں سے اس طرح کسی کا شعور بلند ہو جاتا ہے تو پھر اسے اس حکومت کے ”کارِ عظیم“ میں شرکت کے قابل سمجھ لیا جاتا ہے۔ تاریخ اس ”کارِ عظیم“ میں اس طرح شامل ہونے والے لوگوں کے لئے موجود مواقع سے کبھی خالی نہیں رہی لیکن ارضی وقت کے مطابق ایسے مواقع پیدا ہونے کا کوئی باقاعدہ طریقہ نہیں، ایسے مواقع کے پیدا ہونے کا تعلق ملاء اعلیٰ کے واقعات و ارادات سے متعلق ہے اور یہ واقعات خفیہ نظام کی حد اور دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ جب رحمت کی ہوا چلتی ہے تو اس خفیہ نظام کا روح سازی کا کام شروع ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں انسانی افراد کی ایک خاصی تعداد ایک ہی نسل میں ”کارِ عظیم“ کا ایک بہت بڑا حصہ مکمل کر لیتی ہے۔ اور درجہء تکمیل کو پالیتی ہے۔ تب دونوں طرح کے لوگ بنی نوع انسان کی ارتقائی کارکردگی کی خدمات سرانجام دیتے ہیں لیکن ان کے لئے کام کرنے کی صورتیں اور حالتیں مختلف زمانوں کے تقاضوں کے تحت مختلف ہو سکتی ہیں۔

ایسے معاملات کا علم تاریخ سے کبھی غائب نہیں رہا۔ ظاہر میں تو نہیں مگر تمثیلوں اور قصوں کی شکل میں ہمیشہ مہیا رہا ہے۔ یونانی میتھالوجی کی بہت سی کہانیاں اسی کارِ عظیم کے سلسلہ میں تمثیلی بیانات ہیں۔ حال کے تاریخی زمانوں میں علوم کی

ترقی سے متعلق بہت سے ترغیبات بہت حد تک ظاہر کر دی گئی ہیں بلکہ یہ کہنا بجا ہو گا کہ شاید موجودہ دور کی نسبت کبھی یہ حقیقت مزید تر ظاہر نہیں رہی۔ اس سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ شاید ایک بہت بڑے دور کا اختتام طے پا گیا ہے۔

اس قسم کے اشارات مل رہے ہیں کہ ایک بہت بڑے ”موقع“ کی تیاری ہو رہی ہے لیکن اس کے ظہور کے امکانات کے لئے مغربی دنیا کا تعین کیا گیا ہے۔ ابھی یہ اندازہ کرنا ممکن نہیں کہ یہ کوئی بڑا ”واقعہ“ ہو گا یا ضمنی طور پر کوئی چھوٹا موٹا واقعہ، اس امر کے اظہار کے لئے محتاط رویہ ملحوظ رکھتے ہوئے بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس قسم کے ”موقع“ کے ظہور کے لئے اس قسم کی صورت حال موجود ہے۔



تبصرہ:-

کتاب رجال غیب The People Of The Secret کے مصنف کا تصوف کے بارے میں نقطہ نظر وہی ہے جس پر پچھلے باب میں کاتب مکتوب کا اعتراض واقع ہوا ہے۔ یہ بات اس حد تک تو مانی جاسکتی ہے کہ ہر مذہب کا نام اسلام تھا اور ہر مذہب کا ایک داخلی اور سری پہلو رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ سری رو مسلسل و متواتر کام کرتی رہی ہے مگر سربیت یا تصوف دین سے ماوراء کوئی چیز رہی ہے، تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ تصوف دین کی گمراہیوں سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا سارا منبع علم اسکی داخلی گمراہی اور حکمت کا پرتو ہوتا ہے۔ رجال غیب اپنے اپنے دین پر چل کر اپنا ایک کردار بناتے ہیں اور پھر اس پوشیدہ حکومت کے رکن بننے ہیں جو مختلف مراتب کے حامل اہل خدمات پر مشتمل ہوتی ہے۔ چنانچہ مصنف نے جتنے حوالے دیئے ہیں وہ سب اہل کتاب کی اپنی تاریخ کی روایات میں سے چنے گئے ہیں۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہے کہ یہ اپنے وقت کے ادیان کے خداترس اور خدمت خلق کے اہل لوگ تھے جو چنے جاتے تھے۔ اگر افلاطون، بقراط اور ہرمز اپنے وقت کے سری علوم کے نمائندے اور معلم تھے تو وہ بھی اس دور کے دین سے وابستہ تھے۔ قدیم دور کے رجال غیب میں سے ایک کا ذکر خاص طور پر قرآن مجید میں کیا گیا، جسے موسیٰ علیہ السلام ملے تھے۔

اسلامی روایات میں بھی جو خصائص ان حضرات کے ملتے ہیں وہ بھی یہی ظاہر کرتے ہیں کہ تصوف کے سالکین سے یہ لوگ چنے جاتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ان میں کچھ پیدائشی قابلیتیں ہوتی ہیں جن کی بناء پر ان کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

اب ہم مصنف کے مرکزی خیال کی طرف آتے ہیں۔ یہ مرکزی خیال اس دور کے جدیدیت پسندوں کے دماغی رجحانات کی تسلی کے لئے کافی ہونا چاہئے کیونکہ اس میں تہذیبوں کے ارتقاء اور رجال غیب کی اس میں معاونت کی بات کی گئی ہے۔ تہذیبوں

کا ارتقاء اس دور کے روشن دماغوں کا خاص پسندیدہ موضوع ہے۔ اس لئے اگر اس سے متعلق کوئی بات ثابت ہو جائے تو ان کے نزدیک خود بخود وقوع ٹھہرتی ہے۔

اسلامی تذکروں میں رجال غیب اور ابدالوں کے خدمت خلق کی مثالیں تو بہت ملتی ہیں اور اس کا بھی ذکر بہت ہوا ہے کہ اسلامی حکومتوں کے قیام اور ان کی برطانی و معزولی میں بھی ان کا ہاتھ ہوتا ہے مگر یہ بڑا نادر خیال ہے کہ کسی تہذیب کی ابتداء ارتقاء اور انتہا میں بھی ان کا ہاتھ کار فرما ہوتا ہے۔ یہ بات ذرا معمول کے مشاہدات سے آگے بڑھ کر ہے۔

مصنف کے خیال کی روشنی میں اسلامی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اسلامی تاریخ کے پہلے ہزار سال میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایسی نظر آتی ہے کہ جو پہلے ایک ہزار سال کے درمیان ۱- ستادہ ہے اور اس کا اثر اپنے دور کی ابتداء و انتہا پر نظر آتا ہے ان کا یمن اور برکت تہذیب و ثقافت کی تاریخ کے صفحات پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ تصوف کے طرق میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی طرح ان کے بالواسطہ یا بلا واسطہ فیض سے محروم رہا ہو۔ ایک ہزار سال کے بعد اسلام کی تہذیب کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جس کے مجدد ہونے کا دعویٰ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔ لوگ ان کے الہامی القاب پر معترض ہوتے ہیں (جیسے ”رد کوثر“ کا مصنف) مگر یہ تو دیکھئے کہ سب کچھ اسی کے مطابق ہوا جس ۱۰۰۰ نشاندہی کر رہے تھے۔ تصوف کے نام پر گمراہی پھیل رہی تھی، حق و باطل کا فرق ختم کیا جا رہا تھا، اسلام کا تشخص مٹایا جا رہا تھا، ایک تہذیب کے شفاف دریا کو گدلا کیا جا رہا تھا۔ انہوں نے ان سب امور کا سدباب کیا اور کسی نے چاہا یا نہ چاہا، مگر ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔

رجال غیب جب کوئی کام کرتے ہیں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ظاہر تھے اور ان کے گرد اپنے وقت میں موجود اور آئندہ دور کے رجال غیب ان کے خاکے کے مطابق عمل پیرا تھے۔ چنانچہ اب بھی جب پاکستان کی تاریخ شروع

کی جاتی ہے، تو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی اور ان کے مخصوص نظریات سے اس کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ ایک ہزار سال کے لئے کم از کم یہ تہذیبی تشخص برقرار رہے گا بلکہ اگلے تہذیبی سلسلہ کا دور بھی جو آنے والا ہے، وہ اس تشخص سے ضرور متاثر ہو گا۔

کتاب کے مصنف نے پرانی تہذیبوں کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ہر دور میں کچھ پراسرار شخصیتیں کام کرتی رہی ہیں۔ ان کے مراکز کے وہ نام تو لیتا ہے مگر ان شخصیتوں کا تذکرہ نہیں کرتا جو اس انتظامیہ کی سربراہ تھیں۔ تصوف کے تذکروں میں ان لوگوں کو غوث و قطب کہا گیا ہے اور کہیں کہیں ان کا ذکر ملتا ہے اور انہوں نے اپنے نظام اور طریق کار کا بھی ذکر کیا ہے، جس کا ہم نے اپنی کتاب میں بالتفصیل ذکر کر دیا ہے۔

بہر صورت کتاب کا یہ ایک ایسا مرکزی خیال ہے جو جدید تعلیم یافتہ حضرات کو شاید پسند آئے اگر ہو سکے تو شائقین کو کتاب کی طرف براہ راست رجوع کرنا چاہئے۔ کتاب کی تحقیق سے اختلاف کی گنجائش بہر صورت رہے گی مگر بعض حوالوں کا مواد بہت دلچسپ ہے اور مزید مطالعہ کا متقاضی بھی ہے۔

آخر میں پھر یہ اقرار کرنا چاہئے کہ رجال غیب سے متعلق مواد ایک سروسے موضوع ہے اور وہ جو اس کام سے براہ راست متعلق ہوتے ہیں، انہیں اس کے اظہار سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ وہ اسے ارادی اور شعوری طور پر پوشیدہ رکھتے ہیں، اگر کبھی کوئی ان کی اجازت سے کچھ باتیں ظاہر کر دیتا ہے تو وہ کبھی مکمل نہیں ہوتیں، مطالعہ و جستجو کے بہت سے پہلو تشنہ تحقیق رہ جاتے ہیں جن پر معذرت فقیر کے نزدیک بے سود ہے۔



حاشیہ جات

۱۔ شرح اسمائے حسنیٰ از قاضی محمد سلیمان منصور پوری صفحہ ۳۳

۲۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں ابدال ان کی صورتوں کی تبدیلی کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ یہ اولیاء اللہ صورت حال کے مطابق بہروپ بدل کر خدمات سر انجام دیتے ہیں۔ اصطلاحات صوفیہ مرتبہ حضرت خواجہ شاہ محمد عبدالصمد چشتی میں لکھا ہے: "ابدال جن بدل جن کو بدلا بھی کہتے ہیں۔ یہ سات اولیاء اللہ ہیں جن کے انتظام میں ہفت اقلیم ہے اور بسبب لطافت کے جس عنصر اور جس شکل کے ساتھ چاہیں، صورت بدل لیتے ہیں اور سفر کرتے ہیں اور ایک جسد اپنی صورت کا اس جگہ پر چھوڑ دیتے ہیں جسے کوئی نہیں پہچان سکتا کہ انہوں نے اس جگہ سے سفر کیا ہے یا نہیں۔ اسی سبب سے ان کو ابدال کہتے ہیں اور مطالب رشیدیہ میں بحوالہ حدیث مرفوع ابدال کی تعداد چالیس لکھی ہے۔"

۳۔ صحیح بخاری۔ کتاب العلم

۴۔ تفہیم القرآن جلد ۲۰ صفحہ ۴۲

۵۔ ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی مع تفسیری حاشیہ از مولانا نعیم الدین صفحہ ۴۴۴

۶۔ بیان القرآن جلد اول مولانا اشرف علی تھانوی صفحہ ۵۹۷

۷۔ تفسیر ماجدی مولانا عبدالماجد ذہبیا آبادی صفحہ ۶۱۸

۸۔ ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۴۳۱

۹۔ ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۴۱۹

۱۰۔ معارف القرآن جلد ۵ صفحہ ۶۰۲-۶۰۱

۱۱۔ تفسیر حقانی جلد پنجم صفحہ ۱۱۶ و ۱۱۷

۱۲۔ قصص القرآن حصہ اول صفحہ ۵۴

۱۳۔ خلاصہ بیان فارسی رسالہ اساتذہ کلین از مولانا محمد صاحبزادہ صفحہ ۳۳ (مطالع کردہ محمد عبداللہ)

نوٹ :- بعض حضرات کے نزدیک جو آیات قرآنی کے اعتباری معنی کا ذوق رکھتے ہیں۔ موسیٰ "نفس" کا استعارہ ہے جو امتیاز کو روا رکھتا ہے۔ خضر روحانی علم و رشد کی مثال ہے اور مرشد کامل ہے لیکن جب ایسا نفس اپنے پر اسرار مرشد سے ملتا ہے تو تمام دنیاوی علوم کو بھول جاتا ہے جن کا نشان مچھلی ہے۔ اسکا یہ علم روحانیت کے بحر علم میں گم ہو جاتا ہے جہاں انسانی روح اس ماپ کے لئے پہلے سے تیار ہے۔ مگر یہ نگہبندی، فراموشی اور ماپ علم لدنی کے حصول کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس کے لئے صبر و استقامت کے ساتھ سعی و جدوجہد ضروری ہے۔ اسی لئے سلوک میں پیر و مرشد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرف بعض نے کہا ہے کہ موسیٰ قانون ظاہری کے نمائندہ ہیں اور خضر جامعیت حق کے جسے لفظی قانون کے نقطہ نظر سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ ہوا کی طرح جس کے متعلق آپ نہیں بتا سکتے کہ کہاں سے آتی ہے اور کہاں چلی جاتی ہے؟

۱۳۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے اللہ کے لئے ادب و تعظیم کے نقطہ نظر سے تشریح اس طرح کی ہے کہ ان سے خضر علیہ السلام کی طرف سے اللہ کی تعظیم کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ کشتی توڑنے کے ارادہ میں چونکہ بظاہر برائی ہے۔ اس لئے اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے اوردت کہا۔ لڑکے کے قتل میں اولاد کا بدلہ مقصود تھا۔ اس لئے ظاہری شر اور پوشیدہ خیر دونوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اوردنا فرمایا۔ یتیموں کے مال کے محفوظ ہونے میں چونکہ خیر ہی خیر ہے۔ اس کی پوری نسبت اللہ کی طرف کر دی فلذالذریک (معارف القرآن جلد پنجم صفحہ ۶۱۱)

ہم نے حکم اور اختیار کے نقطہ نظر سے صورت حال واضح کی ہے۔ لہذا یہ اختلاف نہیں بلکہ محض دوسرے پہلو پر نظر ڈالتے ہوئے قرآن کے حکیمانہ ارشاد میں مضمر حکمت کا اظہار ہے۔

۱۵۔ دلائل السلوک از مولانا اللہ یار خان صفحہ ۶۵ تا صفحہ ۷۸

۱۶۔ احوال ابدال از عبدالعزیز مرگوی صفحہ ۲۱، صفحہ ۳۲

۱۷۔ عزالت :- تنہائی۔ جُدا شدن از زن و فرزند دُکوش نشینی برائے عبادت۔ ان کو تنہا رہنے اور کام کرنے کی وجہ سے عزالتی کہا گیا۔

۱۸۔ تذکرہ غوثیہ :- ارشاد: ۵۵

۱۹۔ نوامذ القواد :- پندرہویں مجلس

۲۰۔ ذبذۃ الآثار از حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صفحہ ۸۰

۲۱۔ انسان کامل از شیخ عبدالکریم الجیلی ترجمہ فضل میراں صفحہ ۲۹۶

۲۲۔ ابدالیہ از مولانا یعقوب چرخنی صفحہ ۲۷ (ترجمہ اردو)

۲۳۔ ہجو الاسرار

۲۴۔ کمالات عزیز یہ مرتبہ نواب مبارک علی خان صفحہ ۲۹

۲۵۔ تذکرہ غوثیہ :- ارشاد صفحہ ۶۵

۲۶۔ شیخ الاسلام از رشید احمد صدیقی صفحہ ۱۶۳

۲۷۔ لبیک از ممتاز مفتی حصہ اول "ہائی لیول کانفرنس"

۲۸۔ فیوض الحرمین از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ترجمہ عبدالرحمن صدیقی صفحہ ۲۲۹

۲۹۔ تذکرہ حضرت سید صاحب بانسوی از مفتی محمد رضا انصاری قرنگی علی صفحہ ۲۳۲

۳۰۔ حضرات القدس از بدر الدین سرہندی ۲۲۰

۳۱۔ یونس :- ۸۸ نوح :- ۲۷

۳۲۔ شمس العارفین از حضرت سلطان باجو صفحہ ۳۰، ۳۱

۳۳۔ ترجمہ اللابریز از پیر محمد حسن صفحہ ۳۹۸

۳۴۔ "حضرت شیخ الاکبر محمد الدین ابن العربی فرماتے ہیں کہ معرفت جب زیادہ ہوتی ہے جو نہایت

مقصود ہے تو تصرف کی ہمت کم ہو جاتی ہے۔ اُصوم اقلیم کی نفس لوطیہ میں ذکر ہے کہ بعض

ابدالوں نے شیخ عبدالرزاق سے کہا۔ آپ شیخ ابوہدین کو بعد سلام کے کہیں کہ اے ابوہدین ہمارے

لئے کوئی چیز دشوار نہیں ہوتی (یعنی ہم عالم میں تصرف کرتے ہیں اور آپ ایسا نہیں کرتے) اور

حال یہ ہے کہ ہم آپ کے مقام کی رغبت رکھتے ہیں اور آپ ہمارے مقام کی رغبت نہیں رکھتے،

واقعہ یوں ہے کہ ابوہدین رحمۃ اللہ علیہ ایسے مرتبہ پر فائز تھے، جہاں ان کو ابدالوں کا مقام بھی

حاصل تھا اور اس مقام کے سوا بھی تھا۔ یعنی وہ ابدالوں سے اونچے مقام پر متمکن تھے اور وہ

عبدیت اور کمال معرفت و توحید کا مقام تھا۔"

(عصر جدید اور مسائل تصوف از سید احمد سعید ہمدانی) صفحہ ۹۲-۹۳

۳۵- فقیر کی کتاب "تذکرہ غوث و قطب" میں حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دیکھے جاسکتے ہیں۔ صفحہ ۷۱

۳۶- اسرار قادری از حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۷

۳۷- رسالہ ابدالیہ صفحہ ۲۹

۳۸- رتیر دلبراز از شاہ محمد ذوقی صفحہ ۱۷۶

۳۹- کشف المحجوب ترجمہ ٹکسٹن صفحہ ۲۳

۴۰- صفحہ ۲۱ (Letters from a Sufi Teacher)

۴۱- اس راز حقیقت کو حافظ نے یوں فاش کیا ہے:-

شاہ بیدار بخت زابز شب مانگیمان و غلام
شاہ منصور واقف است کہ ما رولی بہت بہر گنجہ کہ نیم
دشمنان را ز خون کفن سلیم دوستان را قہلی فتح دہم
(بیدار بخت پادشاہ کے لئے ہر شب ہم تاج اور کلاہ کے گنبدان ہیں۔ شاہ منصور واقف ہے کہ ہم جس طرف بھی ہمت کا رخ کرتے ہیں، دشمنوں کا خون سے کفن تیار کر دیتے ہیں اور دوستوں کو فتح کی قباہے دیتے ہیں۔)

۴۲- خزینہ معرفت۔ ترجمہ اردو لاہریہ از پیر محمد حسن صفحہ ۳۸۳

۴۳- تذکرہ حضرت سید صاحب بانسوی از مفتی محمد رضا انصاری فرنگی علی صفحہ ۲۲۵

۴۴- مقتل از اوراد فتحیہ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی

۴۵- فوائد الفوائد جیتیسویں مجلس



۳۶- ناشر مجلس دعوت الامیر (پ۔ یادگار حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی، نوشہرہ، خوشاب) ۱۹۸۳ء

۳۷- اسلامک بک فاؤنڈیشن۔ لاہور۔ ۱۹۸۱ء

۳۸- حضرت سلطان باہو اکیڈمی۔ لاہور۔ ۱۹۸۷ء

۳۹- محال است سہدی کہ راہ صفا

تو اس رفت جز پنے مصطفیٰ

خلافہ تکبیر کے راہ گزید

کہ ہر رگز بمنزل نخواہد رسید

(سہدی)

۵۰- "The People Of The Secret" By Ernest Scott, The Octagon Press, London

۵۱- اسلامی روایات کے مطابق "ظاہری مادی حیثیت" ہے یعنی اولیاء اللہ میں سے کچھ لوگ اس کام کے لئے جن لئے جاتے ہیں جو کارکنان تقوا و قدر کے طور پر مشیت الہی کے تحت کام کرتے ہیں۔ (مؤلف)

